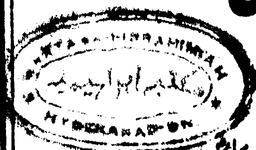
سلسلہ تصانیف حالی
نمبر ۱

مجالس النسا

جسے
شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی
نے عورتوں کی تعلیم کیلئے تالیف کیا

حصہ اول



سنہ ۱۳۴۲ھ
۱۹۲۴ء

باہتمام خواجہ فرزند علی
حالی پریس پانی پت میں چھپا

حالی پریس پانی پت

ایک عرصہ سے پانی پت میں ایک مطبع جاری کرنیکی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ مولانا حالی کی زندگی میں اُنکے دوست جناب مولانا وحید الدین صاحب سلیم نے ایک مطبع اسی نام کا جاری کیا تھا جو چند سال نہایت مفید کام کرنیکے بعد بند ہو گیا۔ اب میں نے اپنے نانا صاحب (مولانا خواجہ الطاف حسینؒ صاحب حالی) مرحوم و مغفور کی یادگار میں ایک نیا مطبع بنام **حالی پریس** جاری کیا ہے۔ اِسکا مقدم مقصد یہ ہے کہ مولانا حالی مرحوم کی تمام تصانیف ایک سلسلہ کی صورت میں اور ایک تقطیع پر چھپوائی جائیں اور اُنکی تصحیح کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔ اِس کے علاوہ کوشش کیجاتی ہے کہ اُجرت کا کام عمدہ اور جلدی کیا جائے اور جہانتک ممکن ہو کفایت کے ساتھ کیا جائے پریس کی کامیابی اور اُسکی ترقی افسرانِ محکمہ جات اور رؤسا اور پبلک کی سرپرستی اور توجہ پر منحصر ہے۔ اگر یہہ حاصل ہو گئی تو ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کرینگے کہ پریس اس سرپرستی کا پورے طور پر مستحق ثابت ہو۔

تصانیفِ حالی

اِس وقت تک مندرجہ ذیل کتابیں سلسلہ تصانیف حالی میں چھپ چکی ہیں

۱۔ **مولود شریف**۔ یہ کتاب پہلے کبھی نہیں چھپی۔ اِسکا مکمل اور مجلد مسودہ مولانا مرحوم کا دستخطی صاف کیا ہوا حال ہی میں دستیاب ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عظمت اور محبت مولانا مرحوم کے دل میں تھی وہ اِس کے ایک ایک لفظ سے مترشح ہوتی ہے نئے خیالات کے لوگ اِسکو دلچسپ پائیں گے۔ خاص کر پُرانے خیالات کے مسلمان غالباً اِس کو زیادہ پسند کریں گے۔ کسی مسلمان کا گھر اس سے خالی نہونا چاہیے۔ ۹۸ صفحے قیمت ۸؎

۲۔ **مجالس النساء** (ہر دو حصہ) مولانا مرحوم کی اولین تصنیف جس میں لڑکیوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

پہلی مجلس

آتوجی کے ساتھ محمودہ بیگم اور اُس کی ماں اور
مریم زمانی بیگم کی گفتگو

م۔ب۔ آتوجی[1]! آداب

آ۔ برخوردار بوڑھ سہاگن بیگم[2]۔ یہ تمہارے ساتھ اور کون ہیں؟

م۔ب۔ ہیں آتوجی! آپ نہیں جانتیں؟ میری بہنیلی ہیں

آ۔ اے کون ہیں مریم زمانی؟

---

[1] اُستانی جی۔

[2] دعائیہ جملہ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ بڑھاپے تک تم بیوہ نہ ہو۔

م ز۔ حضرت! بندگی۔

آ۔ بھلا بیٹا بہت سی عُمر۔ میاں جیے۔ بچے جئیں۔ بُوا! تم کہاں؟

م ز۔ جی میں ابھی آکے اُتری ہوں۔

آ۔ آؤ بیوی بیٹھ جاؤ۔ کہو مزاج تو اچھا ہے؟

م ز۔ حضرت! خدا کا شُکر ہے۔

آ۔ بچّے اچھے ہیں؟

م ز۔ سب آپ کو دُعا کرتے ہیں۔

آ۔ مرزا پاس سے خط پتّر آتا ہے؟

م ز۔ جی ہاں دسویں پندرھویں آتا رہتا ہے۔

آ۔ احمد مرزا کو مکتب میں بٹھا دیا؟

م ز۔ جی مکتب میں بیٹھے تو اُسے بہت دن ہوئے

آ۔ بُوا! اللہ رکھو اب اُس کی کیا عمر ہوگی؟

م ز۔ جی اُسے چاند دیکھے اَن گِنا برس ۱۵ لگے گا۔

آ۔ بھلا بُوا! خدا کرے تمہاری کوکھ ٹھنڈی رہے تمہیں اپنے بچہ کی خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں! ابتھا اللہ رکھو فارسی اردو کے حرف

خاصی طرح اُٹھانے لگا ہوگا؟

م ز - آتو جی! خدا خدا کرو۔ ابھی اُس کی عمر ہی کیا ہے فارسی اردو تو درکنار رہی ابھی تو اُس نے قاعدہ بغدادی بھی ختم نہیں کیا۔

آ - بُوا کیا سبب؟

م ز - حضرت آپ جانتی ہیں مُلّا کا پڑھانا ایسا ہی ہوتا ہے

آ - ہاں بی سچ کہتی ہو۔ بیگم! تم نے کیا کیا پڑھا ہے؟

م ز - حضرت! کچھ پڑھا ہو تو بتاؤں۔

آ - ہے ہے لوگو! اشراف زادیوں نے کیسا پڑھنا لکھنا چھوڑ دیا۔ کیسی اِن گھروں پر جہالت چھا گئی۔ کیسا اُلٹا زمانہ آگیا۔ محمودہ بیگم ذرا سوچنے کی بات ہے ہمارے ملک کے ہندو مسلمان جو اشراف کہلاتے ہیں سب کے ہاں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ بیٹی کو کچھ پڑھائیں یا نہ پڑھائیں پر بیٹے کو ضرور پڑھواتے ہیں۔ کیا غریب اور کیا امیر ہر شخص اپنی بساط کے موافق بیٹے کی تعلیم میں ضرور کوشش کرتا ہے۔ پر میں نہیں جانتی اس ملک کی برکت کہاں اُڑ گئی؟ جب دیکھا یہی دیکھا کہ سو میں سے دو چار بچے جو ایسے ہی صاحب نصیب اور ہونہار ہوئے وہ تو لکھ پڑھ کر کسی قابل ہو گئے اور باقی وہی کودن

کے کو دن رہے - ہاں اب آب کرکے سرکاری مدرسوں میں پڑھنا لکھنا بیشک زیادہ ہوگیا ہے - پر آدمیت سی چیز وہاں بھی کبھی[۱] جم آتی ہے - کوئی یہ دیکھنے والا نہیں کہ ان بچوں کو ایک سا لکھنا پڑھنا کیوں نہیں آتا؟ ان کی عادتیں کیوں نہیں سنورتیں؟ ان کو آدمیت کیوں نہیں آتی؟ بہت کسی نے پوچھا - تو یہ کہدیا "میاں! اپنی اپنی قسمت ہے - جسکے نصیب اچھے ہوئے وہ کچھ لے نکلا - جو بدنصیب ہوا وہ رہ گیا" اے صاحب! وہ کون کم بخت ہوگا جو یہ نہ جانتا ہوگا؟ تم ایک دفعہ کہتے ہو - ہم سو بار کہتے ہیں کہ دنیا میں سارا ظہور نصیبوں ہی کا ہے - پر اتنا تو سمجھو کہ جو آدمی نصیبوں ہی پر بیٹھا رہے اور کام کو کام کے طور پر نہ کرے وہ اپنی مراد کو کیا خاک پہنچے گا؟ ہم تو جب جانیں کہ پیاس میں کوئی پانی نہ پیئے اور اُس کی پیاس آپ ہی آپ جاتی رہے یا بھوک میں کوئی کھانا نہ کھائے اور اُس کا پیٹ خود بخود بھر جائے - کیوں بی! میں سچ کہتی ہوں یا جھوٹ؟

م - ب - حضرت! وہ کون احمق ہوگا جو اِن باتوں کو جھوٹ کہدیگا -

آ - بھلا صاحب! پھر وہ کیا بات ہے جو یہاں کے بچوں پر آدمیت کا

[۱] نہیں

پر چھاواں نہیں پڑنے دیتی ؟ بڑی بیگم یہ جو میں نے کہا تم نے بھی سُنا ؟

ب - ب - آتو جی ! میں سب سُن رہی ہوں -

آ - بُوا ! تمھاری سمجھ میں بھی آتا ہے یہ کیسا بھید ہے ؟

ب - ب - آتو جی ! میں تو پھر یہی کہوں گی کہ اپنی اپنی قسمت ہے دُوسرے یہ بھی بات ہے کہ سارے بچے ایک سے نہیں ہوتے - کوئی غیرت والا ہوتا ہے جو ایک ذرا سی گھُرکی کو ساری عُمر نہیں بھُولتا - کوئی ایسا بے غیرت ہوتا ہے کہ جتنا مارو - جتنا کُوٹو وہ دِن پر دِن چکنا گھڑا[۱] ہوتا جاتا ہے - اِسی طرح کسی کا ذہن اچھّا ہے کسی کا بُرا ہے - کوئی شوخ ہے کوئی غریب ہے - کوئی کھلنڈرا ہے کوئی محنتی ہے - غرض خُدا تعالیٰ نے جیسی طرح طرح کی مخلوق بنائی ہے ویسے ہی طرح طرح کے نصیب وہ اپنے ساتھ لائے ہیں - اِسمیں کسی کا کچھ اِجارا نہیں -

آ - بُوا یہ تو مانا - پر مجھے ذرا اِس بات کا جواب دو کہ یہ بھتاوری[۲] اسی مُلک کی ہے یا سارے زمانہ کا یہی حال ہے ؟ وہ بھی تو ہمارے ہی بھائی ہیں جن کے مُلک میں مرد سے لیکے عورت تک اور بچہ سے لیکے

---

[۱] بے غیرت   [۲] قسمت

بوڑھے تک کوئی پڑھنے لکھنے سے خالی نہیں جسے دیکھو کتاب کا کیڑا۔ جسے دیکھو علم کا پتلا۔ کیا اُنکے ہاں سب ایک ہی سی قسمت لیکے اُترے ہیں؟ کیا اُن کے بچے کند ذہن یا شوخ یا کھلنڈرے ہوتے ہی نہیں؟ اے بُوا خدا خدا کرو۔ ذرا سمجھ کے بات کہو۔ تم اپنے جی میں کہو گی تو سہی کہ بڑھاپے میں عورت کی عقل جاتی رہی ہے۔ پر مجھ سے جو پوچھو تو ہے یُوں کہ خدا بیٹیوں کا بدلا لیتا ہے۔ ماں باپ نے یہ سمجھا تھا کہ بیٹوں کی کمائی میں تو ہمارا ساجھا ہے اور بیٹیوں سے ہم کو کچھ لہناؔ نہیں۔ آؤ جہانتک ہو سکے بیٹوں کو پڑھائیں جو کل کو ہمارے بھی کام آئے۔ خدا کو یہ بات ناپسند آئی اُس نے بیٹوں کو بیٹیوں سے بھی بدتر کر دیا۔ وہ تو عورت ہو کے اَن پڑھ رہی تھیں۔ یہ مرد ہو کے جاہل رہے۔

ب۔ ب۔ آتو جی! تم نے یہ تو میرے دل کی سی بات کہی صاحب! میں تو اپنے خدا سے عہد کرتی ہوں جو میرے پوتا پوتی جئے اور میرے جیتے جی اس قابل ہوئے تو خیر لڑکے کو چاہیں اُس کے ماں باپ پڑھائیں چاہیں نہ پڑھائیں پر لڑکی کو جہاں تک مجھ سے ہو سکیگا

ؔ فائدہ کی اُمید۔

میں اَن پڑھ نہیں رکھنے کی۔

آ۔ بڑی بیگم! تمہارا کدھر خیال ہے؟ میں نے تو ایک بات کہی تھی تم نے اُسے سچ ہی جان لیا۔ کیا سچ مچ خدا بیٹیوں کا بدلا لیتا ہے؟ اے بُوا! اُسکی ذات بڑی غفور الرحیم ہے۔ اگر وہ دُنیا میں ایسی ایسی باتوں کا بدلا لے تو دنیا کاہیکو قائم رہے۔ لوگ بیٹیوں کو جان سے مار ڈالتے ہیں جب تو وہ اُن سے بدلا لیتا ہی نہیں ایسی ذرا ذراسی باتوں کا کیا بدلا لیگا؟ ہاں پر اتنا خوف ضرور ہے کہ وہ قیامت کے دن کہیں ہم سے یہ نہ پوچھ بیٹھے کہ تم نے بیٹیوں کو علم کی دولت سے کیوں محروم رکھا؟ اُنکو بیٹوں کی برابر کیوں نہ عزیز سمجھا؟ اُنکو دین کا رستہ کیوں نہ بتایا؟ اُنکو دنیا کی بُرائی بھلائی سے کیوں نہ خبردار کیا؟ ہم نے اُنکو اس لیے نہیں بنایا تھا کہ ماں باپ کے گھر کتے بلّی کیطرح پرورش پائیں اور خاوند کے ہاں جاکر لونڈیوں کی طرح اپنے دن پورے کریں۔ جیسی بیخبر اور انجان دُنیا میں آئی ہیں ویسی ہی بیخبر اور انجان دنیا سے چلی جائیں۔ نہ خدا کو پہچانیں نہ اپنی حقیقت کو سمجھیں۔ نہ دنیا میں آنیکا کچھ پھل پائیں۔ بلکہ ہم نے اُن کو اس لیے پیدا کیا تھا کہ وہ بھی مردوں کیطرح اپنی عقل سے

کچھ کام لیں اور اپنی آدمیّت سے کچھ فائدہ اُٹھائیں۔ اپنی بُرائی بھلائی کو سمجھیں۔ اپنی دُنیا اور آخرت سے خبردار ہوں۔ چھوٹے بڑے کا حق پہچانیں۔ اولاد کو تربیت کریں۔ خاوندوں کا دِل ہاتھ میں رکھیں۔ بگڑے ہوئے گھر کو سنواریں۔ جس گھر بیاہی جائیں وہاں ماں باپ کا نام روشن کریں۔ ساس سسروں کی آنکھ میں اولاد سے زیادہ عزیز ہوں۔ خاوند گھر کا میاں ہو تو وہ گھر کی بیوی ہوں۔ گھر کی چاردیواری میں علم کی دُوربین اُن کی آنکھ پر لگی ہو۔ کتاب اُن کی ہنسلی ہو۔ اور کاغذ۔ دوات۔ قلم اُنکی سہیلیاں ہوں۔ افسوس کہ انھوں نے دُنیا کے سارے حق ادا کیے پر دُنیا نے اُن کا کوئی حق ادا نہ کیا۔ جب تک ماں باپ کے گھر کنواری رہیں جو کچھ اُنھوں نے کھلا دیا سو کھا لیا۔ جو کچھ پہنا دیا سو پہن لیا۔ جہاں بیٹھنے کو کہا۔ وہاں بیٹھ گئیں۔ جہاں سونے کو کہا وہاں سو رہیں۔ آٹا گوندھنا۔ روٹی پکانی۔ مصالح پیسنا۔ ہانڈی چڑھانی چرخہ کاتنا۔ روئی تومنی۔ بھائی بہن کو رکھنا۔ ماں باپ کی خدمت کرنی۔ غرض کسی بات سے جی نہ چرایا۔ کسی کام سے ناک نہ چڑھائی پھر جب بیاہی گئیں اور سسرال میں پہنچیں تو وہاں اور ہی اور

سامنے پیش آئے۔ آج ساس خفا ہیں۔ کل نند بیزار ہیں۔ دیورانی کبھی سیدھے منہ سے بولتی ہی نہیں۔ جٹھانی بات بات پر الجھتی ہے خاوند کا مزاج کسی طرح لیا ہی نہیں جاتا۔ بچے الگ جان کو کھائے جاتے ہیں۔ کسی کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ کسی کو پسلی کا خلل ہے۔ کسی کو کھانسی ہو رہی ہے۔ ایک کو کنٹھے سے لگا رکھا ہے۔ دوسرا گود میں پڑا ہے۔ تیسرا کمر سے لپٹا ہوا ہے۔ غرضکہ ایسی ایسی ہزاروں مصیبتیں اُٹھائیں پر منہ سے کبھی اُف نہ کی اور اسی طرح اپنی زندگی کے دن جوں توں کر کے کاٹ دیے۔ دنیا نے اُن کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ جس دن پیدا ہوئیں سارا کنبا یا تو بیٹے کی اُمید پر خوشیاں منا رہا تھا یا بیٹی کا نام سنتے ہی ایک ایک کے منہ پر اداسی چھا گئی ماں باپ ہیں تو اُداس ہیں۔ بھائی بہن ہیں تو اُداس ہیں۔ خالہ۔ پھپھی۔ نانی۔ دادی۔ اپنا۔ بیگانہ۔ آیا۔ گیا۔ جو سنتا ہے ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتا ہے۔ یوں ظاہر میں کوئی خوشی کی صورت بنا لے تو کچھ کہی نہیں جاتی۔ پر خوشی سی چیز سو سو کوس نہیں۔ پھر جب برس ڈیڑھ برس کی ہوئیں اور اپنی بھولی بھولی صورت اور پیاری پیاری باتوں سے ایک ایک کا جی لبھانے لگیں تو اماں۔ باوا۔

خالہ۔ پھپی کی مامتا[۱۵] کچھ جوش میں آئی پر بیٹیوں کے برابر بھی انکی جان عزیز نہ ہوئی۔ بیٹیوں کا نام غصہ میں بھی لیا تو اللہ آمین کرکے لیا اور انکو پیار میں بھی پکارا تو موئی۔ مرنے جوگی۔ غارت گئی کہکر پکارا۔ پھر جب ہوش سنبھالا اور اس قابل ہوئیں کہ ماں باپ کی تربیت سے آدمی بنیں اور دین دنیا کی برائی بھلائی سے خبردار ہوں تو ماں باپ نے ان سے اپنی خدمت لینی شروع کی اور کوئی سلوک ان کے ساتھ ایسا نہ کیا جس سے وہ ان کی احسانمند ہوتیں۔ پکانا۔ ریندھنا ان کو اسلیے سکھایا کہ ماماں رکھنے کی ضرورت نہ ہو۔ سینا۔ پرونا انکو اسلیے بتایا کہ درزی مغلانی کو سلائی دینی نہ پڑے چھٹی سے لیکر بسملہ تک اور منگنی سے لیکر چوتھی تک جتنی شادیاں کیں وہ اپنے نام کے لیے کیں۔ جہیز میں جو کچھ دیا وہ دنیا کے دکھاوے کو دیا۔ ایک پڑھنا لکھنا ایسی چیز تھا جو دنیا اور آخرت میں ان کے کام آتا۔ سو ماں باپ نے اسکی ہوا تک نہ لگنے دی اور یہ سمجھا کہ اول تو انکے پڑھانے لکھانے سے ہمکو کچھ فائدہ نہیں۔ دوسرے یہ پڑھنے لکھنے میں رہیں گی تو گھر کے کام دھندے کون کریگا؟

[۱۵] محبت

پھر جب بیاہی گئیں اور ایک غیر شخص کے پالے پڑیں تو وہاں میکے سے بھی زیادہ دکھ اُٹھانے پڑے۔ ساری عمر کاٹنی تو درکنار رہی وہاں ایک ایک گھڑی کاٹنی دشوار ہوگئی۔ ساس کو یا تو یہ چاؤ[۱] لگ رہا تھا کہ کب بہو آئے اور کب بیٹے کا گھر آباد ہو۔ یا بہو کے آتے ہی سَو غیروں کی ایک غیر ہوگئی۔ نندوں کو یا تو آٹھ پہر بھابی کے نام کی تسبیح تھی یا بھابی کی صورت سے بیزار ہوگئیں۔ خاوند کا دل بھی جیسا چاہیئے ویسا نہ ملا۔ کیونکہ اول تو چودہ پندرہ برس کی جان کو بیاہ کا ایسا چاؤ ہی کیا تھا؟ دوسرے ماں بہنوں کی نگاہ بیوی کیطرف سے پھری ہوئی دیکھی۔ آگے بیوی میں کوئی ایسا جوہر نہ پایا جو سب کو چھوڑ کر اُسی کا ہو رہتا۔ غرض بیگانی بیٹی کی کسی نے خریداری نہ کی۔ اب رہی اولاد۔ سو جس ماں کی حقیقت باپ کے گھر میں یہ ہو گی اُسکی عظمت۔ اُسکی بزرگی۔ اُسکا ادب اولاد کے دل میں کیا خاک ہوگا؟ بڑی بیگم! یہ وہ باتیں ہیں جنکے تصور[۲] سے کلیجہ موںھ کو آتا ہے[۳]۔ خیر ہماری تمہاری تو بہت سی گذر گئی اور جو تھوڑی بہت رہی ہے وہ بھی بُری بھلی طرح گذر رہی

---

[۱] شوق [۲] خیال [۳] بے انتہا رنج ہوتا ہے۔

جائیگی پر اس نئی تانتی[۱] کا اللہ ہی بیلی[۲] ہے۔

ب۔ب۔ آتو جی! یہ کون نہیں جانتا کہ پڑھنا لکھنا بڑی چیز ہے اور وہ ایسا کون کم بخت ہوگا جو اپنی اولاد کا بھلا نہ چاہتا ہوگا؟ ایک ادنیٰ پسنہاری کے دل سے پوچھو تو وہ بھی یہی چاہتی ہوگی کہ میری اولاد کو ساری خدائی کے ہنر آجائیں۔ پر میں تو صاف کہنے والی ہوں کہ غریب کے بچوں کو خدا ہی ہو جو پڑھنا لکھنا آئے اور جس میں بیٹیوں کی تو اور بھی مشکل ہے۔ ہاں جن کو خدا نے چار پیسے کا مقدور دے رکھا ہے وہ جو چاہیں سو کر گزریں۔

آ۔ بڑی بیگم! یہ تو شہر میں اللہ رکھو سیکڑوں کھاتے پیتے مقدور والے رہتے ہیں ہم نے تو اُن کی بہو بیٹیوں کو بھی جب دیکھا اَن پڑھ ہی دیکھا۔ اے بُوا! کیسی دولت اور کیسا مقدور؟ یہاں تو بھیڑیا چال[۳] ہے تم نے ایک کام کیا۔ تمھاری دیکھا دیکھی میں نے کیا۔ میری ریس[۴] سے اور چار جنیوں[۵] کو حوصلہ پیدا ہوا۔ اسی طرح ہوتے ہوتے سارے شہر میں پھیل گیا۔ پھر کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ یہ کام دُور پار پڑا ہے یا بھلا ہے یا ہم سے ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ چاہے لاکھ کا گھر

---

۱ نسل ۲ نگہبان ۳ نقل ۴ ۵ عورتوں

خاک ہی کیوں نہ ہو جائے جس طرح ہو اُس کام کو کرنا - آخر تم
بھی تو دیکھتی ہو بیاہ شادی تیج تہوار میں جو خرچ بندھے ہوئے ہیں
وہ سب کو کرنے ہی پڑتے ہیں - امیر ہو اُس نے اپنے مقدور کے
موافق کیا - غریب ہو اُس نے اپنی بساطؔ[۱] کے موافق کیا - تم نے
یہ کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ کسی غریب سے غریب بھائی نے بیٹی کو ایک
شربت کے پیالہ یا چار چھواروں پر رخصت کر دیا ہو؟ یا کسی مفلس سے
مفلس گھر میں شب برات کی چودھویں کو حلوا نہ بنا ہو - جب اِن واہی
تباہی[۲] باتوں کی لوگوں کو اتنی پچ[۳] ہے تو اچھی باتوں کی کیوں نہ ہوگی؟
آج شہر میں اتنی بات ہو جائے کہ لوگ بیٹیوں کے اَن پڑھ رکھنے کو
عیب جاننے لگیں پھر دیکھوں وہ کونسا گھر ہے جسمیں لڑکیاں نہیں پڑھتیں؟
جو محتاج سے محتاج ہوگا وہ بھی بیٹی کو چار حرف ضرور پڑھوائیگا -
اور بُوا! یہ ساری مشکلیں ابھی معلوم ہوتی ہیں پیچھے سب آسان
ہو جائیں گی - جہاں قوم کی ساری لڑکیاں ایک دفعہ پڑھ گئیں پھر
وہ اپنی اولاد کو آپ تعلیم کر لیا کریں گی

ب - ب - آتو جی! خدا خدا کرو - لڑکیاں ماؤں ہی سے تو

---

[۱] مالی حالت [۲] فضول - بیکار [۳] طرفداری

پڑھ سکیں گی اور بھی کسی سے نہیں۔ اول تو ماں غریب کو گھر کے دھندوں سے اتنی فرصت ہی کہاں ملیگی جو صاحبزادی کو بیٹھ کر سبق پڑھائے؟ اور جو اُس نے دس کام چھوڑ کر پڑھایا بھی تو بیٹی کو اثر کیا خاک ہوگا؟ بچوں کا پڑھنا لکھنا سارا دباغت[۱] کا ہوتا ہے سو دباغت سی چیز یہاں کیوں ہونی ہے؟ ماں کا ہاتھ لاڈلی بیٹی پر کیوں اُٹھنا ہے؟ ماں کا ڈر جلاد[۲] اُستانی کی برابر کیوں ہونا ہے غرض ہر پھر کر پھر اُستانی ہی کے سپرد کرنا پڑے گا اور جب اُستانی رکھنی پڑی تو غریب گھروں کی لڑکیاں پھر رہ جائینگی۔

آ۔ بڑی بیگم! تم نے یہ کیا کہا؟ اے بوا! بچوں کی مائیں اگر اس قابل ہوں کہ اپنے بچوں کو آپ تعلیم کر لیا کریں تو اس ملک کے دن ہی نہ پھر جائیں۔ شاید تم نے یہ نہیں سنا کہ فرنگیوں کے ملک میں جو اَن پڑھ آدمی کہیں نام کو ڈھونڈا نہیں ملتا اسکا کیا سبب ہے؟ کیا وہاں لکھے پڑھے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں یا اُنکو کسی فقیر کی دُعا ہے کہ جہاں بچہ نے ہوش سنبھالا اور خود بخود اُسکا ہیا[۳] کھُل گیا؟ کچھ بھی نہیں فقط یہ بات ہے کہ اُن کے ہاں لڑکیوں

---

[۱] خوف۔ رعب [۲] بے رحم [۳] دل۔ حوصلہ

کے پڑھانیکا دستور قدیم سے چلا آتا ہے۔ وہی لڑکیاں جب بیاہی گئیں اور صاحبِ اولاد ہوئیں انہوں نے اپنی اولاد کو آپ تعلیم کرنا شروع کیا۔ یہی تو بات ہے جو اُن کے ہاں عورتوں میں عورتیں اور مردوں میں مرد سب ایک سانچہ کے ڈھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ تم تو ایک بیٹیوں ہی کو کہتی ہو میرے نزدیک بیٹا کیا اور بیٹی کیا بغیر ماں کی تعلیم کے کسی کو آدمیت نہیں آسکتی۔ لوگ یہ جانتے ہیں کہ الف۔ بے۔ تے اور کریما[۱]۔ خالق باری[۲] پڑھانا ایسا کہاں کا بڑا کام ہے۔ جس مُلا مدرس سے کہدیں گے وہی بچہ کو چار حرف بتادیگا۔ بوا! یہ بڑی بیوقوفی کی بات ہے۔ باغبانی میں سب سے زیادہ درختوں کی پود لگانی مشکل ہے۔ اگر مالی ہاتھ کا سچا نہ ہوگا کبھی اُس کے ہاتھ کا پودا پروان نہیں چڑھنے[۳] کا اسیطرح پڑھانے میں پڑھانا بچوں کا مشکل ہے۔ اگر بچوں کا اُستاد کامل نہ ہوگا کبھی اُنکو پڑھنا لکھنا نہیں آنیکا۔ بچہ کو ایسا سمجھو جیسے تُرت کی ٹوٹی گیلی لکڑی۔ اِس وقت تو اُس میں ایک لوچ ہے جسطرح موڑو گے مُڑ جائیگی۔ اگر تمکو یہ منظور ہے کہ وہ سیدھی و سُڈول ہو جائے

[۱] و [۲] فارسی کی ابتدائی کتابیں [۳] نہیں بڑھیگا۔ پھلے پھولیگا نہیں۔

توکسی کاریگر کے حوالے کرو تاکہ خوب جانچکر اُس کے بَل نِکالدے
نہیں تو اب کوئی دن میں اُس کا سارا لوچ جاتا رہے گا۔ پھر
قیامت تک سیدھی نہیں ہونیکی۔ جوکسی نے زیادہ زور کیا ٹوٹ
جائے گی۔ بچوں کے مُعلّم میں ایک یہی بات نہیں دیکھی جاتی کہ اُسکو
عِلم کیسا ہے؟ بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اُس کی عادتیں کیسی ہیں؟
اُس کا مزاج کیسا ہے؟ بچّوں کو دلسوزی سے پڑھاتا ہے یانہیں؟
بچّوں کا مزاج پہچانتا ہے یانہیں؟ اگر اُستاد کی عادتیں اچھی نہ ہونگی
شاگردوں کی عادتیں اُس سے بدتر ہوجائینگی۔ اگر اُستاد کا مزاج
اچھّا نہ ہوگا شاگرد اُس کے نام سے سَو سَو کوس بھاگیں گے۔ اگر
اُستاد بچّوں کو دلسوزی سے نہ پڑھائیگا کبھی اُن کو ایک حرف نہیں
آئیکا۔ اگر اُستاد بچّوں کا مِزاجداں نہ ہوگا سب کو ایک لاٹھی ہانکنا
شروع کرے گا۔ اِسیواسطے اَگلے لوگوں نے کہا ہے کہ بچّہ کا پڑھانا
ایسا ہے جیسے بیمار کا عِلاج کرنا۔ جسطرح طبیب کو بیمار کا مزاج پہچاننا
فرض ہے اسیطرح مُعلّم کو بچّہ کا مزاجداں ہونا ضرور ہے۔ سو ایسا
اُستاد تو بُوا شاید امیروں کو بھی نصیبوں ہی سے ملتا ہوگا۔ اگر ایسے
ہی اُستاد کی تلاش میں رہے تو بچّہ کا ہیکو پڑھنا ہے۔ نہ نَومن تیل

ہوگا نہ رادھا ناچیگی - اور جو پانچواں برس لگتے ہی مکتب میں بٹھا دیا تو بچّہ کو دونو جہان سے کھو دیا - پہلے ہی روز وہ دن بھر کی قید سے ایسا گھبرا جائے گا کہ دُوسرے دن اُسے مکتب کے نام سے جاڑا چڑھے گا - جب تک دو چار نگّے - دو چار لاتیں نہ کھالیگا مکتب کی طرف کبھی رُخ نہیں کرنے کا - پھر جب روتا جھینکتا مکتب میں پہنچا اور اُستاد نے دیکھا کہ لڑکا اس رُوپ سے آیا ہے اُس نے اُٹھ کر روئی کی طرح دھنّا شروع کیا - پہلے دن تو وہاں اُس کا جی ہی گھبراتا تھا اب موت نظر آنے لگی - کیسا پڑھنا اور کیسا لکھنا؟ اب تو اُس کو یہ لَو لگی ہوئی ہے کہ کب شام ہو اور کب اِس بَلا سے چھوٹوں - جب شام ہوئی تو چھٹّی لے کر گھر آئے - دو چار گھڑی کھیلے کُودے - ابھی کھیل کُود سے فرصت نہ پائی تھی کہ پھر کل کی فکر[۱] سر پر چڑھی - دن اُس مصیبت سے گندا رات اِس اُدھیڑ بن میں کٹی - اب دَم بہ دَم اُس کا لہو سُوکھنا شروع ہوا - بچّہ کی کیا بساط؟ دَس دِن میں سُوکھ کر کانٹا ہو گیا - سَو بِسوے تو یہ آثار پڑھنے کے معلوم نہیں ہوتے اور جو سَو میں ایک دو لڑکا

[۱] فِکر

پڑھے لکھکر کسی قابل بھی ہوا تو کس کام کا ؟ دل - دماغ - ذور - طاقت ذہن - حافظہ - جو کچھ اُس کی گرہ میں تھا سب مکتب کے سر صدقہ ہوا بھلا ایسا شخص اپنے علم سے کیا خاک فائدہ اُٹھائیگا ؟ غرض مکتب میں بٹھایا تو اور نہ بٹھایا تو ہر طرح سے بچّوں کی مٹی خراب ہے ہاں مگر اُن کے ماں باپ پڑھے لکھے ہوں اور علم کی قدر پہچانتے ہوں اور اولاد کے اَن پڑھ رہنے کا جو انجام ہے اُسے خوب جانتے ہوں تو بیشک وہ جو چاہیں سو کر گزریں - لیکن پھر جو پُوچھو تو باپ سے بھی یہ بوجھ نہیں اُٹھ سکتا - اُس کو باہر کے دہندوں سے اِتنی فرصت کہاں جو صبح سے شام تک بچّہ کی ایک ایک بات نگاہ میں رکھے ؟ یہ تو ہو نہو پھر اپنی ماں ہی سے ہو سکتا ہے - جس کے کوسنے کو بچّہ اَوروں کے پیار سے اچھا جانتا ہے - جس کی مار کو اَوروں کی چمکار سے بہتر سمجھتا ہے - دِن بھر جس کی نگاہ کے سامنے رہتا ہے - رات بھر جس کے پہلو سے جُدا نہیں ہوتا - بھوک لگتی ہے تو روٹی اور پیاس لگتی ہے تو پانی اُس کے سِوا کسی سے نہیں مانگتا - دُنیا میں اپنا غمخوار اور خریدار اُس کے سِوا کسی کو نہیں دیکھتا - دُکھ درد میں پُکارتا ہے تو اُسے پُکارتا ہے - خوف کے وقت

یاد کرتا ہے تو اُسے یاد کرتا ہے۔ غرض جو لگاؤ بچہ کو ماں کے
ساتھ یا ماں کو بچہ کے ساتھ ہوتا ہے وہ دنیا میں کسی کو
کسی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اب اگر ماں کو اتنا سلیقہ اور سمجھ
کہ وہ اِس خدا کی دی ہوئی اُلفت کو لاڈ اور پیار میں برباد
نہ کرے بلکہ ایسی باتوں میں صرف کرے جو اولاد کے حق میں
فائدہ مند ہوں تو خدا کی ذات سے اُمید تو یہ ہے کہ ماں بچہ کے
حق میں ایک رحمت کا فرشتہ ہو جائے اور اُس کی صحبت
بچہ کو ماں کا دودھ ہو کر لگے۔ جب اِس طرح دو چار برس ماں
کی صحبت میں رہ چکا اور ہر ایک بات کا ادب قاعدہ سیکھ چکا
اور علم کی باتوں سے بھی کچھ کچھ آشنا ہو گیا اور ماں سے رات
دن سنتے سنتے یہ بھی جان گیا کہ علم کے برابر کوئی دولت
نہیں ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر مقیّد رہنے کا بھی مزا چکھ لیا
اور سبق پڑھنے اور یاد کرنے کی بھی عادت پکڑ چکا۔ اور
آہستہ آہستہ کھیل کود کا بھی شوق کم ہو گیا۔ اب اُس کی
مثال ایسی ہے جیسے چراغ میں تیل بتّی سب کچھ موجود ہے
فقط آگ لگانے کی دیر ہے۔ یا مکان کی نیو قائم
بنیاد

ہو چکی ہے صرف دیوار اُٹھانی باقی ہے۔ جس طرح کاتب
پہلے کاغذ پر مسطر کرلیتا ہے اور پھر لکھنے بیٹھتا ہے تو کہیں
اُس کی قلم نہیں بہکتی اسیطرح اب جو اُستاد اُسے تعلیم
کرے گا اُس کو دِقّت اُٹھانی نہ پڑے گی۔ جو کام پہلے مار
پیٹ سے نکلنا مشکل تھا اب اِشاروں میں نکلیگا۔ جو بات
پہلے برسوں میں آنی دشوار تھی وہ اب گھڑیوں میں آئے گی
اُستاد کی مُحبّت کبھی برباد نہ ہوگی۔ جسکے سامنے کتاب کھولکر
جا بیٹھیگا وہ خوشی خوشی پڑھانے کو موجود ہوجائیگا۔ بڑی بیگم
یہ جو کچھ میں نے کہا بس اِسے سچ ہی جاننا۔ پہلے میں بھی تمہاری
طرح یہی کہا کرتی تھی کہ بچّہ کو جہاں پانچواں برس لگا پھر اُس کا
گھر میں کچھ کام نہیں۔ جس طرح ہوسکے مکتب میں بٹھادینا چاہیئے
پر ہُوا میں نے تو جس دن سے زُبیدہ خاتون کا قصہ سُنا
مجھ کو یقین آگیا کہ مکتب کا بس نام ہی نام سُن لو۔ آتا واتا وہاں
خاک نہیں۔ اور بہت دُور کیوں جاتی ہو، یہ تو مریم زمانی بیگم
اب تمہارے سامنے ہی کہہ رہی تھیں کہ بچّہ کے دشمنوں کو
تین برس سے مُلّانے کھشائی میں ڈال رکھا ہے۔ آج تک

قاعدہ بغدادی ختم ہونے میں نہیں آیا۔ کیوں بُوا اگر آج کو یہ خود پڑھی ہوئی ہوتیں اور اپنے بچہ کو آپ تعلیم کرتیں تو وہ اب تک تختیوں ہی میں پڑا جھولتا؟

ب۔ ب ۔ محمودہ! تم نے دیکھا آتو جی نے کیسا بات کو ٹال دیا؟

م۔ ب ۔ اماں جان! میں اِن کی باتوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ بھلا یہاں **مریم زمانی بیگم** کا کیا ذکر تھا؟ کچھ نہیں آتو جی یہ چاہتی ہیں کسیطرح وہ قِصّہ کہنا نہ پڑے اِن کو اور باتوں میں لگا لوں۔ میں تو اب جبھی اُٹھوں گی جب وہ قِصّہ سُن لونگی۔

آ۔ بیٹا! تم بھی بڑی بیگم کے کہنے میں آگئیں۔ واری میں تم کو ایک چھوڑ دس قِصّے سُنا دوں گی۔ جاؤ اب تو اُٹھ کے نماز پڑھو۔ عصر کا وقت تنگ ہوا جاتا ہے۔ مجھے بھی نماز پڑھنی ہے۔ خدا خیر رکھے تو کل اسوقت سُننا۔

م۔ ب ۔ آتو جی! اِسوقت سُنا دو گی تو کیا ہو جائیگا؟

آ۔ بیٹا! قِصّہ ہے یا کوئی مُونھ کا نوالہ ہے۔ تم تو اِس وقت

کتنی ہو میرے نزدیک آٹھ دس دن میں بھی تمام ہو جائے تو غنیمت ہے۔

م۔ ب - اچھا پھر کل کو کس وقت کہو گی؟

آ۔ جس وقت تم کہو۔ پر میرے نزدیک رات کا وقت ہو تو بہتر ہے۔

م۔ ب - بہت اچھا۔ دیکھو کہیں کل کو بھی اسی طرح ٹالدو

آ۔ بیٹیا! آتو کو جھوٹا جانتی ہو؟ خاطر جمع رکھو خدا نے چاہا تو کل ضرور کہوں گی۔ جاؤ اب تو تم نماز پڑھو۔ کہیں وقت نہ جاتا رہے

دوسری مجلس

آتوجی کا بیان

زبیدہ خاتون کا اکلوتا بیٹا سیّد عبّاس کہتا ہے کہ دِلّی میں جو عاقل خاں کا کوچہ مشہور ہے وہاں رئیس زادوں میں دو بھائی تھے۔ اُن میں چھوٹے بھائی جو میرے نانا تھے اُن کا نام خواجہ فُضیل تھا اور بڑے بھائی کا نام خواجہ کُمیل۔ خواجہ کُمیل کو میں نے نہیں دیکھا سُنا ہے کہ وہ تیس پینتیس برس کی عمر میں دلی سے نوکری چھوڑ کر کہیں کو چلے گئے تھے۔ نانا جان کو اُن کی جُدائی کا بڑا داغ تھا۔ خدا تعالےٰ نے مال و دولت سب کچھ دے رکھا تھا۔ شہر میں کرایہ کی آمدنی جُدا تھی۔ چار گاؤں جاگیر میں جُدا تھے۔ دس آدمیوں پر حکومت بھی رکھتے تھے۔ شہر کے چھوٹے بڑے سب تعظیم کرتے تھے

یہ سب کچھ تھا پر ایک بھائی کے نہ ہونے سے اُن کی نظر
میں سب ہیچ تھا۔ مگر خدا کی عنایت سے نانی جان نہایت
ذی شعور اور صاحبِ عِلم تھیں۔ وہ طرحِ طرح سے میاں
کا غم غلط کرتی رہتی تھیں۔ جب تک گھر میں رہتے۔ بھائی
کو بھولے رہتے۔ جب میری والدہ پیدا ہوئیں تو کچھ
خیال اُن میں بٹا۔ آرزو تو یہ تھی کہ خدا بیٹا دے پر اللہ تعالےٰ
نے ایک بیٹی ایسی دی کہ سو بیٹے ایک طرف اور یہ
بیٹی ایک طرف۔ نانا صاحب اور نانی صاحب دونوں
اُن پر جان فِدا کرتے تھے۔ مگر دانا اور نادان کی مُحبّت
میں بڑا فرق ہے۔ دانا کی مُحبّت ابتدا میں بہت کم ظاہر
ہوتی ہے پرؔ اُس کا انجام نہایت اچھّا ہوتا ہے۔ اور
نادان کی محبّت کا آغاز تو بہت اچھا مگر انجام نہایت بُرا۔
بعضے آدمی بچوں کے لاڈ سے ایک دم فرصت نہیں پاتے
کبھی مونھ چومنا۔ کبھی پیار کرنا۔ کبھی گلے لگانا۔ کبھی چھاتی
پر لٹانا۔ جو اُس نے کہا سو کہلا دیا۔ جو اُس نے مانگا سو دیدیا
ایسی باتوں کا انجام اکثر یہ ہوتا ہے کہ بچّے کے دل میں اُنکی

دہشت نہیں رہتی۔ گستاخ ہو جاتا ہے۔ کہنا نہیں مانتا
یوں ہوش سنبھالکر وہ اپنی طبیعت کی نیکی سے آدمی بنجائے
تو کچھ کہی نہیں جاتی پر ماں باپ اُس کی ابتدا بیشک
بگاڑ چکے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ بچہ کو پیار کرنا ایسا ہے
جیسے کھیتی کو پانی دینا۔ جس طرح پانی کی طغیانی کھیتی کو
نقصان پہنچاتی ہے۔ اِسیطرح حد سے زیادہ پیار بچہ کو
خراب کر دیتا ہے۔ جو لوگ عقلمند ہیں اور ہر ایک بات کا
انجام پہلے سے سوچ لیتے ہیں جسوقت اُن کے دل میں مُحبّت
کا جوش آتا ہے وہ آپے سے باہر نہیں ہو جاتے۔ بچہ کو
اگر پیار کرتے ہیں تو اِس قدر کرتے ہیں کہ وہ اُن کو اپنا مُربّی
سمجھتا رہے۔ کھلانے پہنانے میں اُس کے نفع نقصان کا
خیال رکھتے ہیں۔ جو چیز اُس کی صحت میں خلل ڈالے
اُس کے پاس نہیں جانے دیتے۔ جس بات سے اُسکی
عادت بگڑے اُس کی پرچھائیں نہیں پڑنے دیتے جب
تک بچہ پانچ سات برس کا نہیں ہوتا اپنے نفع نقصان
کو بالکل نہیں سمجھتا۔ آگ۔ پانی۔ زہر۔ تریاق اُسکے نزدیک

سب ایک ہے - اور اچھی طرح اپنی برائی بھلائی تو جبھی سمجھے گا جب جوان ہوگا - اسی لیے جو لوگ حقیقت میں اپنی اولاد کے خیرخواہ ہیں وہ کبھی اُن کا کہنا نہیں کرتے - کبھی تسلی اور دلاسا دے کر ٹال دیتے ہیں - کبھی دھمکا کر ڈرا دیتے ہیں - کبھی مار کر سمجھا دیتے ہیں - غرض میری مخدومہ کو خداتعالیٰ نے جیسا ہونہار پیدا کیا تھا ویسے ہی اُن کو ماں باپ ملے - انہوں نے اپنی ساری چاہت اور محبت اُنکی طبیعت کی دُرستی میں صرف کی -

یہاں ایک بات سننے کے قابل ہے - جب میری والدہ پیدا ہوئیں تو نانی صاحبہ کو انّا کی تلاش ہوئی - ایک دن اُنھوں نے میاں سے بھی کہا کہ کہیں انّا ملے تو نوکر رکھنی چاہیئے - نانا جان نے کہا سُنو صاحب! انّا ملنی کچھ مشکل نہیں - اِسوقت دس عورتیں آسکتی ہیں مگر جیسی میں چاہتا ہوں جب تک ویسی عورت نہ ملے گی میں ہرگز نوکر نہیں رکھنے کا - میں نے کتابوں میں بھی لکھا دیکھا ہے اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ دُودھ پلانیوالی

کی خصلتیں بچہ میں ضرور اثر کرتی ہیں۔ تمھارے کہنے پر کچھ موقوف نہیں مجھے انّا کی خود تلاش ہے۔ کچھ نہیں تو انّا میں یہ دو باتیں ہونی بہت ضرور ہیں۔ اول تو قوم سے شریف ہو۔ دوسرے خوش مزاج اور غیرت دار ہو۔ تم بھی تلاش میں رہو۔ یہ جو باہر کی پھرنے والیاں آتی ہیں ان سے کہدو کہ ایسی عورت ملے تو نوکر رکھوا دیں۔ دس روپیہ مہینہ دینے کو میں موجود ہوں۔ غرض کہاں تک بیان کروں چھ مہینے تک نانی صاحبہ خود دُودھ پلاتی رہیں۔ اِس عرصہ میں عورتیں بہت سی آئیں مگر جیسی وہ چاہتے تھے ویسی ملنی ذرا مشکل تھی۔ آخر چھ مہینے کے بعد انّا حُسینی خانم کو نوکر رکھا۔ اُنکی زیادہ تعریف کرنی تو فضول ہے مگر اتنا جانتا ہوں کہ یہ میری والدہ کی خوش نصیبی تھی کہ حسینی خانم سی شخص اُن کے دودھ پلانے پر نوکر ہوئیں۔ نانی صاحبہ اُنکی کمال خاطرداری کرتی تھیں۔ جو آپ کھاتیں وہی اُنکو کھلاتیں۔ جو آپ پہنتیں وہی اُن کے لیے بنواتیں جو کپڑا میری والدہ کے لیے بنتا اُس کے ساتھ کا اُن کے

کوکا کے لیے پہلے بنتا - آخر وہ بھی اُنہیں کی ہو رہیں ساری عمر اُسی گھر میں کاٹ دی - ایک دِن حُسینی خانم میری مخدومہ سے ملنے کو آئی تھیں - خدا جانے کیا بات تھی اُس پر مجھ سے کہنے لگیں کہ جس طرح تمھاری نانی صاحب نے تمھاری اماں جان کو پرورش کیا کوئی کیا کرے گا میاں میری جو اسقدر خاطر تھی یہ تمھاری ماں ہی کا صدقہ تھا - نہیں تو میری بہنیں تین ہزار پھرتی ہیں - کوئی پوچھتا بھی نہیں (میری مخدومہ کا نام تو زُبیدہ خاتون تھا مگر انّا انکو بی زبیدہ کہکر پکارتی تھیں) وہ مجھ سے یہ باتیں ہی کر رہی تھیں کہ والدہ صاحبہ چلی آئیں - انّا نے کہا بی زبیدہ! تم کو وہ بچپن کے کھلونے تو کیا یاد ہونگے اُنہوں نے کہا - کیوں بی! یاد کیوں نہیں؟ میری عمر خاصی چھ سات برس کی ہوگی جب تک تو میں اُن سے کھیلتی ہی تھی - میں نے کہا امّاں جان! یہی مٹی کے ہاتھی گھوڑے ہوں گے؟ انہوں نے کہا - نہیں بیٹا! مٹی کے نہیں کپڑے کے تھے - ہمارے ہاں جو مغلانی نوکر تھی وہ سینے پرونے

کے کام میں نہایت ہوشیار تھی۔ اماں جان نے اُس سے میرے لیے کپڑے کے کھلونے سلوا کر اُن پر روغن پھروا دیا تھا۔ مگر اُن کے نام ہی نرالے تھے۔ جو بہت بُری صورت کے تھے اور اُن کے دیکھنے سے نفرت آتی تھی اُن میں کسی کا نام تو **غُصّہ** تھا کسی کا نام **بدزبانی** کسی کا نام **غیبت**۔ کسی کا نام **جُھوٹ** کسی کا نام **شوخی** کسی کا نام **لُتری**۔ کسی کا نام **پُھوڑ**۔ کسی کا نام **ہٹ** کسی کا نام **زبان دراز**۔ کسی کا نام **کام چور**۔ کسی کا نام **سُستی**۔ کسی کا نام **کاہلی**۔ اُنہیں میں ایک کھلونا دو چھپکلیوں کی شکل کا تھا اُس کا نام **لڑائی جھگڑا** تھا۔ اُس کی صورت سے صاف یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھتنیاں لڑ رہی ہیں۔ اِسکے جھونٹے[۱] اُسکے ہاتھ میں ہیں اُسکے جھونٹے اِسکے ہاتھ میں۔ اور ایک گھوڑا بھی اُنہیں میں تھا۔ اُسکی عجب صُورت تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھیں بھیانک صورت۔ بال بکھرے ہوئے۔ زبان باہر کو نکلی ہوئی۔ اُسمیں ایک کل لگی ہوئی تھی۔ جہاں اُسے دبایا

[۱] سر کے بال

اور وہ بھاگا۔ دو گز تک تو وہ ایسا جاتا جیسے ناوک کا
تیر اور پھر مونھ کے بَل گِر کر لوٹ پوٹ ہو جاتا۔ اُس کا نام
جلد باز تھا۔ اور جن کی صورتیں اچھی تھیں اُنکیں کسیکا
نام تو **حیا** تھا۔ کسیکا نام **غیرت**۔ کسیکا نام **سلیقہ**
کسیکا نام **سُتھرائی**۔ کسیکا نام **پارسائی**۔ کسیکا
نام **تحمّل**۔ کسیکا نام **صبر**۔ کسیکا نام **قناعت**۔ کسیکا
نام **سلوک**۔ کسیکا نام **ملاپ**۔ کسیکا نام **فرمانبردار**
انہیں میں ایک کھلونا ہرن کی صورت کا تھا۔ اُس کے
تیور سے صاف یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب اُڑ جائے گا۔
اُس کا نام **چُستی** تھا۔ اور اُنہیں میں ایک نہایت
خوبصورت پَری تھی۔ وہ ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے
کوئی مسکراتا ہو۔ اور بے اختیار یہ جی چاہتا تھا کہ اِسے
دیکھے جائیے۔ اُس کا نام **ہَنس مُکھ** تھا۔

مَیں نے کہا اماں جان! نانی اماں نے یہ کھلونے
کیوں بنوائے تھے؟ انہوں نے کہا۔ بٹیا! یہ اِس لیے
بنوائے تھے کہ مجھے بُری باتوں سے نفرت ہو جائے

اور نیک عادتیں اختیار کروں - میں نے کہا - پھر آپ کو
اُن سے کچھ فائدہ بھی معلوم ہوا ؟ کہا - میاں ! اور تو
کیا فائدہ ہوتا ہاں پر اِتنی بات ضرور ہے کہ آج تک اُنکی
صورتیں میرے دِل سے نہیں بُھولیں - جب کوئی کسی پر
غصہ ہوتا ہے تو وہی کھلونا جسکا نام غصہ تھا اُس کی صورت
میری آنکھوں کے سامنے پھِر جاتی ہے - یا جب دو عورتیں
آپس میں لڑتی جھگڑتی ہیں تو اُنہیں دو چھپکلیوں کی شکل
میرے روبرو آن کھڑی ہوتی ہے - یا جب کوئی کچھ
کام بَولا یا ہوا کرتا ہے تو اُسی گھوڑے کی تصویر میرے
آگے آجاتی ہے - اِسیطرح اور ساری باتوں کو
سمجھ لو - پھر فرمانے لگیں بٹیا ! ایک اِسی بات پر کیا
موقوف ہے اماں جان مجھے نئی نئی طرح سے تربیت
کرتی تھیں - اگر میں کِسی قابِل ہوتی تو اُنکی صحبت میں
آدمی بن جاتی - مجھے یاد ہے کہ جب میری بِسم اللہ ہو چکی
تو اماں جان نے سب سے پہلے مجھ کو نماز کی دُعائیں
اور نماز پڑھنے کے قاعدے سکھائے - جب یہ مجھے

خوب یاد ہو گئے تو نماز پر کھڑا کیا۔ دس پندرہ دن
تک اپنے سامنے نماز پڑھواتی رہیں۔ پھر جب فرصت
ہوتی مجھے لے بیٹھتیں۔ اور طرح طرح سے خدا کا خوف
میرے دل میں بٹھاتیں۔ اور یہ کہتیں کہ بٹیا! خدا تعالےٰ
ہر وقت اور ہر گھڑی ہمارے پاس اور ہمارے ساتھ
ہے۔ ہمارا جو کام ہے وہ دیکھتا ہے۔ ہماری جو بات
ہے وہ سُنتا ہے۔ اگر سات پردوں میں کوئی جا کر
چُھپے خدا کے سامنے ایسا ہے جیسے میں اور تم۔ دیکھو
جس بات کو ہم منع کیا کریں کبھی اُس کے پاس نہ جانا۔
نہ ہمارے سامنے نہ ہمارے پیچھے۔ ہم نہیں دیکھتے تو
خدا ضرور دیکھتا ہے۔ اِس کے سِوا کھانا پینا۔ اُٹھنا
بیٹھنا۔ چلنا پھرنا۔ بات کرنی۔ بات سُننی۔ بڑوں کی
تعظیم۔ بزرگوں کا لحاظ۔ سب باتوں کے ادب قاعدے
سِکھاتی رہتیں۔ اور نوکروں کے پاس بیٹھنا۔ چِلّا کر
بولنا۔ دَوڑ کر چلنا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات
کرنی۔ قہقہہ مار کر ہنسنا۔ ہر وقت کھُلے سر رہنا۔

بے ضرورت کوٹھے پر چڑھنا - ایسی ایسی باتوں سے
روکتیں اور ہر ہر بات کی اس قدر روک ٹوک رکھتیں
کہ وہ اُنکی تنبیہ اور تاکید عمر بھر نہ بھولونگی - میاں!
اِسی سبب سے تو بچپن کی باتیں مجھے آج تک یاد ہیں
نہیں تو پانچ برس کی بھی کچھ عمر ہوتی ہے - اُس عمر
کی باتیں اب تک کیونکر یاد رہتیں - اُنکی بہتیری باتیں
ایسی تھیں کہ اُن سے مجھے خودبخود نصیحت ہوتی رہتی
تھی - جب میری عمر دس بارہ برس کی ہوئی تب
میں نے جانا کہ یہ باتیں اماں جان میری نصیحت کے
لیے کیا کرتی تھیں - کھلونوں کا حال تو تم سن ہی چکے
بھلا اُس عمر میں مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ کھلونے میری
تربیت کے لیے ہیں ؟ اِسکے سوا جب کِسی نوکر سے کوئی
خطا ہوجاتی اور اُن کو یہ معلوم ہوجاتا کہ اُس نے جان
بوجھکر یہ خطا کی ہے تو اُس کو میرے سامنے دھمکاتیں
اور اِس قدر بُرا بھلا کہتیں کہ میرے کان کھڑے ہوجاتے[1]

[1] میں خبردار ہوجاتی -

اگر کسیکی بات میں کچھ جھوٹ معلوم ہوجاتا تو میرے
سامنے اُس پر لے دے کرتیں[۵۱]۔ اور یہ کہتیں سنو صاحب!
جھوٹ میری چڑ[۵۲] ہے۔ مجھے جھوٹ اپنی اولاد کا بھی
نہیں بھاتا۔ اب کے تو بولیں سو بولیں اگر پھر تمھارا
جھوٹ ثابت ہوا تو میرے ہاں آپ کا کچھ کام نہیں۔
اور جب کسی سے کچھ خطا ہوجاتی اور وہ آن کر سچ
سچ کہدیتی تو اُس سے ایسی ناراض نہ ہوتیں اور کہتیں
کہ تم نے جو سچ بولا اسلیے تمھارا قصور معاف کیا۔
جب کوئی گھر میں آنکر کسی بچہ کی شوخی یا شرارت کا
حال کہتا تو میرے مونھ پر یُوں کہتیں "اگر ایسا میرا بچہ ہو
تو مُوئے کا مونھ جُھلس دُوں"۔ بعضی دفعہ صرف میری
نصیحت کے لیے اپنے اوپر تکلیف گوارا کرتیں پر اپنی
عادت نہ چھوڑتیں۔ مثلاً اُن کا جی ماندا[۵۳] ہے اور کوئی بڑی
بوڑھی اُن کی خبر کو آگئیں۔ اب جب تک وہ اُن کے
پاس بیٹھی رہیں گی کیا مقدور ہے جو اماں جان پلنگ پر

۵۱ خفا ہوتیں ۵۲ جھوٹ سے مجھے نفرت ہے ۵۳ وہ بیمار ہیں۔

لیٹ جائیں برابر بیٹھی رہیں گی۔ جو کسی نے بہت ہی کہا تو کمر سے تکیہ لگا لیا۔ اُن کی دیکھا دیکھی مجھے بھی ویسی ہی عادت پڑ جاتی۔ بعضی دفعہ ایک ذرا سی بات پر مجھے اِس قدر تاکید کرتیں کہ پھر تمام عمر کو میرے لیے نصیحت ہو جاتی اور میں یہ جان لیتی کہ اس بات کا کرنا بہت ہی ضرور ہے۔ مثلاً میں اپنی بقچی کھلی چھوڑ کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور کوئی ماماں اُٹھ کر باندھنے لگی اور اسمیں اماں جان کی بھی نگاہ پڑ گئی اب کیا مجال ہے جو وہ اُسے باندھ کر رکھدے؟ پھر اُسیطرح کھلوا کر مجھ سے بند ہوائیں گی۔

یہ باتیں کہکر انا حُسینی سے فرمایا۔ کیوں بی! تمھیں بھی یہ باتیں یاد ہیں؟ اُنھوں نے کہا لو اچھی کہی! تم سات برس کی جان تھیں۔ تمھیں تو یاد ہے۔ میں خاصی تیس برس کی عورت تھی مجھے یاد نہ ہوگا؟ اچھا اُس عمر کی اور باتیں بھی تمھیں یاد ہیں؟ اماں جان نے کہا بی! میں نے کوئی کتاب تو لکھ ہی نہیں رکھی۔ بہتیری یاد

ہیں بُہتیری بُھول گئی۔ اَنّا نے کہا بھلا جب تم اُستانی جی کے پاس پڑھنے بیٹھیں تو تمہاری کیا عمر تھی؟ اور تم کون کون سے وقت کیا کیا کام کیا کرتی تھیں؟ اور بیگم صاحب کے پاس کس وقت جاکر بیٹھتی تھیں۔ اور وہ تم کو کیا کیا نصیحتیں کیا کرتی تھیں؟ اماں جان نے کہا۔ بی! میرے مغز میں تو اِتنا بُوتا[1] نہیں کہ اب ساری داستان تمہارے سامنے لیکر بیٹھوں۔ میں نے کہا۔ نہیں اماں جان! ہم تو سُنیں گے۔ آپ کو میری ہی جان کی قسم جو آپ نہ کہیں۔ اُنہوں نے کہا۔ لو اور سُنو۔ یک نہ شد دو شد۔ یہ انّا نے میرے پیچھے اور جھاڑ کا کانٹا لگایا۔ میں جانتی یہ ذکر ہی نہ کرتی۔ اچھا میاں! جو تم کہو گے سو کروں گی۔ اب تو تم مولوی صاحب کے ہاں جاکر سبق پڑھیاؤ[2]۔ رات کو فرصت کے وقت کہونگی

غرض جب رات کو کھانے پینے سے فراغت پاچکے تو اماں جان نے اپنا سارا قِصّہ بیان کیا۔ وہ کہتی تھیں

[1] اِتنی طاقت [2] پڑھ آؤ۔

کہ میں پانچ برس کی تھی جو اماں جان نے مجھے اُستانی جی
کے سپرد کیا ۔ اِتنی بات تو مجھے خوب یاد ہے ۔ ساتویں
برس تک میں اُن سے فقط قرآن شریف پڑھتی رہی
اِس میں پانچ چھ سیپارے میں نے یاد کر لیے ۔ ابھی پڑھنے
لکھنے کی کسی نے زیادہ تاکید مجھ پر نہیں کی ۔ جب آٹھواں
سال لگا تو میرے سارے وقت رُک گئے ۔ صبح کو چھ بجے
سے نو بجے تک تو مجھے اُستانی جی قرآن شریف
پڑھاتیں ۔ پھر ایک گھنٹے مغلانی کچھ سینا پرونا سِکھاتیں
دس بجے کھانا کھانے کے بعد مجھ کو اماں جان نے کھیلنے
کی چھٹی دے رکھی تھی پَر میں اپنی خوشی سے اکثر مغلانی کے
پاس چلی جاتی اور کچھ نہ کچھ سینا لے بیٹھتی ۔ گیارہ بجے
ابّا جان دیوان خانہ سے محلسرا میں سونے کو تشریف
لاتے تھے ۔ وہ مجھ کو اپنے پلنگ کے برابر فرش پر
بٹھا کر اپنے سامنے نسخ اور نستعلیق کی مشق کراتے
جب تک وہ جاگتے رہتے میرے حرفوں کو دیکھتے رہتے
جہاں میرا ہاتھ بہکتا وہیں ٹوک دیتے ۔ جب اُنکی آنکھ لگ جاتی

میں آپ بیٹھی مشق کیا کرتی - ایک کے عمل میں[۱] وہ اُٹھتے
تھے - میں جب تک وہیں بیٹھی لکھا کرتی - جہاں وہ ذرا
ہوشیار ہوئے اور میں تختی - دوات - قلم - رکھ کر نماز کو
اُٹھی - کبھی کبھی وہ مشق دیکھنے کو ٹھیرا لیتے - اگر مشق
اچھی نہ ہوتی یا کم ہوتی تو مجھے رسان میں سمجھا دیتے اور
اور ایک آدھ بات ایسی بھی کہہ دیتے جس سے مجھے غیرت
آئے - ظہر کی نماز کے بعد اُستانی جی سے اُردو مسائل
کی کتاب کا سبق لیتی - تین بجے تک اُن کی خدمت
میں رہتی - جب قرآن شریف ختم کر چکی اور نماز روزہ
اور نہانے دھونے کے مسئلوں سے خبردار ہو گئی تو ابّا جان
نے مجھے **شاہ عبدالقادر صاحب** کا ترجمہ اور
فارسی اور حساب شروع کرایا اور یہ فرمایا کہ اپنے
سبقوں سے فراغت پایا کرو تو گھڑی آدھ گھڑی کو
چار درویش یا **اخلاق محسنی** کا ترجمہ لے بیٹھا کرو
اور اپنے آپ دیکھا کرو - جو حرف سمجھ میں نہ آیا وہ

[۱] ایک بجے کے قریب -

اُستانی جی سے پوچھ لیا - میرا جی ان کتابوں میں خوب لگتا تھا - وہ تو گھڑی آدھ گھڑی کے لیے کہتے - میں گھنٹہ گھنٹہ بھر اُنہیں میں لگی رہتی - تین بجے مجھے چھٹی ہوتی تھی - اِس میں کبھی تو مغلانی پاس جا بیٹھی - کچھ اُن کا کام بٹوا لیا - اور کبھی جو ہمارے ہاں کُنبے کی لڑکیاں آگئیں اور میرے بہت ہی گِرد ہوئیں[۱] تو اُن کے ساتھ گڑیاں کھیلنے لگی - پر مجھ کو اماں جان نے اول ہی سے کچھ ایسا کام میں لگایا تھا کہ کھیل سے بچپن ہی میں مجھے نفرت ہو گئی تھی - غرض جب عصر کی نماز پڑھ چکی - اب باورچیخانہ میں جا کر ماماں کو مصالح پیستے - ہانڈی چڑھاتے گوشت بھونتے دیکھتی - اور نمک - پانی اور آنچ کا اندازہ نگاہ میں رکھتی - کھانا پکانے میں سب سے زیادہ مشکل کام یہی ہے - جب یہ بات میری نِگاہ میں چڑھ گئی اور روزمرہ کے کھانے پکانے کی ترکیب اچھی طرح میری سمجھ میں آگئی تو اماں جان نے کہا بٹیا! کبھی کبھی کوئی

---

[۱] مجھ سے بہت ہی اصرار کیا -

چیز تم بھی اپنے ہاتھ سے پکا لیا کرو - یہ کام دیکھنے سے نہیں آتا - اس میں سارا کھیل آنچ کا ہے - جب تک ہر ایک کھانا دس دس بیس بیس دفعہ تمھارے ہاتھ سے نہ نکلیگا کبھی نہیں آئیگا - دوسرے یہ عادت پڑی ہوئی خدا جانے کس وقت کام آجائے - آدمی کا حال سدا ایکساں نہیں رہتا - میری طبیعت میں سدا سے یہ بات تھی کہ ہر ایک کام کو خوب جی لگا کر سیکھتی تھی کچھ تو مجھے شوق تھا ہی - کچھ اُن کا کہنا ہوا - رفتہ رفتہ سارا کام باورچیخانہ کا اپنے ہاتھ سے کرنے لگی - دال دھونی - مصالح پیسنا چولھے میں آگ سلگانی - ترکاری چھیلنی - پیاز کترنی - گھی داغ کرنا - کباب بنانے - یخنی چڑھانی - چانول پسانے[1] - پلاؤ دم کرنا - ماماں کو فقط اپنے سامنے بٹھالیتی اور اُس کے سامنے یہ سب کام آپ کرتی - اول تو میرے ہاتھ سے کھانے بگڑتے رہے - کبھی سالن میں نمک زیادہ ہوگیا - کبھی

[1] چانول اُبال کر اُن کا پانی نکالنا -

دال کچی رہ گئی - کبھی کھچڑی میں پانی زیادہ پڑ گیا کبھی
گوشت بھونتے میں داغ لگ گیا - کبھی چانولوں میں کنی
رہ گئی - مگر اماں جان کبھی اِس پر خفا نہ ہوتیں - جو ابّا جان
کسی دن جھنجلاتے تو اشارہ سے اُنہیں منع کر دیتیں -
اور میرے پس غیبت یہ کہتیں جیسے تم سمجھے ہو اُس نے
کھانا نہیں پکایا - زُبَیدہ نے پکایا ہے - وہ ابھی بچّہ ہے
میرے کہنے سے کبھی کبھی کوئی پتیلی پکالیتی ہے - یُونہیں
پکاتے پکاتے ہاتھ سنور جائے گا - جو ابھی سے اُس کے
پکانے کو نام دَھرو گے تو وہ پھر کبھی چُولھے پر جاکر قدم بھی
نہیں رکھنے کی - غرض چند روز میں مجھے کھانا پکانے کا
خاصا ڈھب ہو گیا - جو کھانے کدھی کدھار[۱] پکتے تھے - اُنکی
بھی ترکیبیں میں نے سیکھ لی تھیں - پر میں تو سچّی بندی
ہوں مجھے اُن کا پکانا جیسا چاہیئے ویسا آج تک نہیں
آتا - اصل بات یہ ہے کہ یا تو جسے زبان کا لپکا[۲] ہوتا ہے
اُسے ویسی چیزیں آتی ہیں یا جن کا یہ کام ہے اُنہیں

۱ کبھی کبھی ۲ مزہ دار کھانوں کا شوق -

آتی ہیں - مجھے نہ کبھی دُور پار چٹورپن کی عادت ہوئی
نہ خدا کے فضل سے کہیں ماماں گیری کرنی تھی - پھر آتا تو
کیونکر آتا ؟ اب رہی روٹی پکانی - سو اِس سے البتّہ
میں ذرا جی چُراتی تھی - امّاں جان نے جو دیکھا کہ یہ اِس سے
گھبراتی ہے آپ چُولھے پر آن بیٹھتیں - اور ایک دو
روٹی اپنے ہاتھ سے توے پر ڈالتیں پھر مجھ سے
ڈلواتیں - میں نے کہا یہ فقط میرا دل بڑھانے کے لیے
اپنے اُوپر تکلیف اُٹھاتی ہیں یہ کچھ بات نہیں - ایک
دِن میں نے کہا امّاں جان ! آپ کو میرے سر کی قسم بس
آپ اپنی جائے[1] بیٹھی رہا کریں - میرا جی پہلے پہلے تو
بیشک ذرا رُکتا تھا اور اب تو مجھ سے کہیئے میں روز
مَن بھر آٹا پکا رِیندھ کر رکھ دیا کروں - غرض چند روز
میں مجھے روٹی پکانی بھی آگئی - چپاتیاں - پُھلکے - روغنی
روٹی - بری[2] روٹی - پراٹھے - سب اپنے ہاتھ سے
پکا لیتی تھی - خیر یہ کہنا تو بیوقوفی ہے کہ مَیں ماماں سے

[1] جگہ [2] چنے کی پسی ہوئی دال بھری ہوئی روٹی -

اچھا پکاتی تھی - وہ بجز میری اُستاد ہی تھی پر میرے ہاتھ
کا پکّا ابّا جان کے مونھ کو ایسا لگ گیا تھا کہ اُن کو کسی
باورچی کے ہاتھ کی چیز پسند نہ آتی تھی - اب خدا جانے
وہ سچ مچ میری تعریف کرتے تھے یا خاطر سے کرتے تھے
جُوں جُوں وہ میری تعریف کرتے میں اور جی لگا کر پکاتی -
غرض جب سب کھانے سے فراغت پا چکتے تو
رات کے نو دس بجے تک امّاں جان کے پاس بیٹھنے کا
معمول تھا - وہ باتوں ہی باتوں میں مجھے ہر طرح کی
نصیحت کرتی رہتی تھیں - اور سب سے زیادہ پڑھنے
لکھنے کا شوق دلاتیں - اول تو انھوں نے میرے لیے
ایک چھوٹی سی الماری بنوائی اور ابّا جان کے کتب خانہ
میں جتنی چھوٹی چھوٹی کتابیں تھیں اُن سب کی
خوبصورت خوبصورت جلدیں بندھوائیں - کسیکا
رنگ سبز - کسیکا سُرخ - کسیکا زرد - کسیکا آبی - کسیکا
بادامی - اور سب پر سُنہری ٹھپّا کیا ہوا - غرض وہ سب
کی سب میری الماری میں چُن دیں - اور کہا - بٹیا! یہ

الماری تمھارے لیے ہے۔ اور لو اس کی کنجی بھی
تم ہی اپنے پاس رکھو۔ مگر میں نے اُستانی جی سے
تمھاری کچھ بھی فریاد سُنی تو الماری چِھین لُوں گی۔
کتاب کی محبت میرے دل میں اُسی دن سے پیدا ہوئی
اور اُس کے چِھن جانے کے ڈر سے پڑھنے میں بھی
خوب جی لگاتی تھی۔ پھر کبھی یُوں کہتیں۔ بٹیا! تم یہ بھی
جانتی ہو کہ اِن کتابوں کے پڑھنے سے کیا ہوتا ہے۔
دیکھو! تمھارے چچا جان کی اتنے دِنوں سے خبر نہیں
آئی۔ اگر تم یہ کتابیں پڑھ لو اور اُن کا ذرا بھی پتہ معلوم
ہو جائے تو تم یہیں بیٹھی بیٹھی اُن سے روز باتیں
کر لیا کرو۔ کبھی کہتیں۔ تم یہ بھی جانتی ہو یہ سورج
روز صبح کو کہاں سے آتا ہے اور شام کو کہاں چلا جاتا ہے؟
اِن کتابوں کے پڑھنے سے تمھیں یہ بھی معلوم ہو جائیگا۔
کبھی کہتیں۔ بٹیا! بھلا یہ تو بتاؤ یہ جو غریبوں کے بچے
ننگے کُھلے پھرتے ہیں اِنھیں اور تم میں کیا فرق ہے؟
کیا یہ آدمی نہیں ہیں؟ میں کہتی۔ امّاں جان! کیوں

آدمی کیوں نہیں؟ بھلا واری[۱]! پھر یہ کیا بات ہے کہ
تمہارے پاس تو خدا کا دیا کپڑا لتّا گہنا پاتا سب کچھ ہے
اور اُن کے نہ پاؤں میں جُوتی ہے۔ نہ سر پر ٹوپی۔ نہ
بدن میں کپڑا؟ بس ساری بات یہ ہے کہ اُن کے
ہاں پڑھنے لکھنے کا دستور نہیں ہے اور ہم کو خُدا نے
یہ عزت علم کی بدولت دے رکھی ہے۔ کبھی کہتیں۔
بھلا یہ تو بتاؤ۔ اچّھے کھاتے پیتوں کی اولاد فقیر کیوں
ہوجاتی ہے؟ اور بھُوکے ننگوں کی اولاد امیر کیوں ہوجاتی ہے؟
پھر آپ ہی کہتیں۔ بیٹا! جب پڑھے لکھوں کی اولاد
جاہل رہجاتی ہے تو نیستی آجاتی ہے اور جہاں بے پڑھوں
کی اولاد کچھ پڑھ لکھ لیتی ہے اُس گھر کے دِن پھر جاتے
ہیں۔ کبھی کہتیں۔ بھلا یہ تو بتاؤ ہمارے گھر میں بڑی
قیمتی چیزیں کیا کیا ہیں؟ میں کہتی۔ اماں جان! سب سے
زیادہ تو جڑاؤ گہنا ہے۔ اُس سے اُتر کر سادہ گہنا ہے۔
پھر کپڑا ہے۔ تانبے کے برتن ہیں۔ چینی کے باسن ہیں

---

[۱] میں تم پر قربان ہوجاؤں۔

فرش ہے۔ قالین ہے۔ کوچ ہے۔ مسہری ہے۔ پلنگ ہے۔ پیڑھا ہے۔ یہی چیزیں ہیں۔ آپ کہتیں نہیں لاڈو[ف]! ایسی بات پھر نہ کہنا۔ سارا گھر تو ایک طرف اور تمھاری الماری کی ایک کتاب ایک طرف تو بھی برابر نہیں ہوسکتے۔ ان کتابوں میں بعضے بعضے حرف ساری دُنیا کے مول سے زیادہ کے ہیں۔ کبھی کہتیں۔ بھلا یہ تو بتاؤ مردوں کا درجہ بڑا ہے یا عورتوں کا؟ میں کہتی۔ امّاں جان! مردوں ہی کا درجہ بڑا معلوم ہوتا ہے۔ آپ کہتیں۔ نہ بیوی! ایسا ہرگز نہ سمجھنا۔ علم ایسی چیز ہے جس کی بدولت ایک عورت لاکھوں کروڑوں مردوں کو اپنا تابعدار بنالے۔ دیکھو ہماری بادشاہزادی ملکہ وکٹوریا یہاں سے ہزاروں کوس بیٹھی اپنے علم کے زور سے دو ولایتوں پر بادشاہت کر رہی ہیں۔ کبھی کہتیں۔ بیٹیا! اگر تم ان کتابوں کو پڑھ لو تو گھر میں بیٹھی سارے ملکوں کی سیر کرلیا کرو۔ اور آسمان کے اوپر اور زمین

ف پیاری جسکی ناز برداری کیجائے۔

کے نیچے اور دریا کی تہ میں اور پہاڑ کی کھوہ میں جو کچھ ہے سب تم پر آئینہ ہو جائے۔ کبھی ہمارے کُنبے کی لڑکیوں میں جو پڑھی لکھی ہوتی اُسکی ہزار ہزار زبان سے تعریف کرتیں اور جو اَن پڑھ تھیں اُنکی طرح طرح سے ہجو کرتیں غرض نو دس برس کی عمر تک مجھے اسیطرح کے دم دِلاسوں سے پڑھنے لکھنے کا شوق دلاتی رہیں۔ اُن کی اِن باتوں سے میرے دل پر ایسا اثر ہوتا تھا کہ دِن پر دِن مجھے عِلم کی قدر زیادہ ہوتی جاتی تھی

آ۔ محمودہ بیگم کیا بجا ہوگا؟

م۔ حضرت! ابھی دس بجے ہیں۔

آ۔ بس بٹیا! جاؤ سو رہو۔ صبح کو سویرے اُٹھنا ہے اب آگے کل کو سُننا۔

تیسری مجلس

زُبیدہ خاتون کا باقی بیان

جب میں سمجھدار ہوگئی تو اماں جان نے مجھ کو اور اور طرح سے سمجھانا شروع کیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دن کھانا کھا کر سات بجے سے جو بیٹھیں بارہ بجے تک یہی نصیحتیں کرتی رہیں کہ بیٹیا! علم بڑی دولت ہے۔ علم سے خدا ملتا ہے۔ علم سے نجات ہوتی ہے۔ علم کے آگے مال اور دولت کی کچھ حقیقت نہیں۔ ایک محتاج آدمی جو علم رکھتا ہو وہ بے علم بادشاہ سے بہتر ہے ایک آدمی کا علم اور ہزار آدمیوں کی عبادت برابر نہیں ہوسکتی۔ جس آدمی میں علم نہیں وہ آدمی نہیں جانور ہے اور جس گھر میں کوئی علم والا نہیں وہ گھر نہیں جانوروں کا ڈربا ہے۔ اور جس مُلک میں علم کا رواج نہیں وہ مُلک

نہیں ڈھوروں کا جنگل ہے - علم کی عزت مال و دولت
کی عزت سے کہیں سوا ہے - امیر آدمی کی عزت یا
کپڑے لتّے سے ہے یا مَسنَد تکیہ سے - یا نوکروں
چاکروں سے - یا ہاتھی گھوڑوں سے - جہاں اُن سے
الگ ہوا پھر جہاں اور خدا کی مخلوق ہے ایک وہ بھی ہے،
اور علم والا جس حال میں رہے گا اور جہاں جائیگا اور
جس سے ملیگا اُسکی عزت ویسی ہی بنی رہے گی -
بہت دُور کیوں جاتی ہو جتنا ادب تم اُستانی جی کا
کرتی ہو اور جتنی اُن سے دبتی ہو اور اُن کا لحاظ کرتی ہو
کسی اور سے بھی تمہارا یہ حال ہے ؟ میں نے کہا اماں جان
پھر وہ میری اُستاد بھی ہیں - اُستاد کا ادب سبھی کیا
کرتے ہیں - کہا - بیٹیا ! مغلانی بھی تو تمہاری اُستاد ہیں ؟
ماماں نے بھی تو تمھیں کھانا پکانا سکھایا ہے ؟ اُن کا اتنا
ادب کیوں نہیں کرتیں ؟ بنّو ! اُستانی جی کی عزت ساری
علم سے ہے . بھلا تم تو اُن کی شاگرد ہو ہم جو اُن کی
اتنی تعظیم کرتے ہیں کیوں کرتے ہیں ؟ آخر ہماری تو نوکر

ہی ہیں۔ مگر یہ چار حرف وہ چیز ہیں کہ آدمی جس کا نوکر ہو اُسی سے تعظیم لے۔ اِسکے سوا اگر سچ پوچھو تو ہم لوگ پڑھے لکھوں کے سامنے بالکل اندھے ہیں۔ اپنے نفع کو ہم نہیں پہچانتے۔ اپنے نقصان کو ہم نہیں سمجھتے۔ بات کرنے کا ہمیں سلیقہ نہیں۔ بات سمجھنے کا ہمیں وَقُوف نہیں۔ یہ جو بعضے گھروں میں میاں بیوی کی نہیں بنتی اور عورتیں آپسمیں بیٹھکر مردوں ہی کو بُرا ٹھیراتی ہیں۔ اگر کوئی مجھ سے پُوچھے تو میں اس کا جواب دُوں؟ ہے ہے! کیا بُرا زمانہ ہے؟ اِنصاف تو کہیں نام کو نہیں۔ اری احمقو! تم سے مَردوں کا دِل کیا خاک ملے؟ اول تو خدا تعالیٰ نے مَردوں کی ذات ہی میں عقل و شعور تم سے زیادہ رکھا ہے۔ دُوسرے پڑھنا لکھنا اُن کا کام ہے۔ جو گئے سے گیا[۱] ہوگا وہ بھی کچھ نہ کچھ ہنر رکھتا ہوگا۔ اور کچھ نہیں تو پڑھے لکھوں سے سُن ہی سُنکر اُس نے ہزاروں باتیں یاد کرلی ہوں گی۔

---

[۱] نِکمّے سے نکما۔

آخر مرد ذات ہے۔ سبھی سے مِلتا ہے۔ سبھی کے ہاں آتا جاتا ہے۔ سب ہی کے پاس اُٹھتا بیٹھتا ہے۔ مولوی کی صحبت میں بیٹھے گا چار مَسلے دین کے سیکھیگا۔ دس باتوں کی بُرائی بھلائی سے واقف ہوگا۔ طبیب سے ملیگا چار باتیں طبابت کی سیکھیگا۔ کچھری میں جائیگا۔ نئے نئے حکم نئے نئے قانون سُنیگا۔ بڑے بوڑھوں میں بیٹھیگا زمانہ کی اُونچ نیچ سے خبردار ہوگا۔ آخر یُوں ہی ہوتے ہوتے آدمی ہوجائے گا۔ تم بتاؤ تم نے آدمیّت کہاں سے سیکھی؟ اور کیونکر سیکھی؟ گھر کی عقل تم میں جمی جم ہے۔ کجی تمہاری طبیعت میں داخل ہے۔ عِلم سے تمہیں کچھ بحث ہی نہیں۔ تمہارے نزدیک جسطرح باہر پھرنا پردیس جانا۔ کمائی کرنی۔ یہ سب کام مردوں کے ذمہ ہیں۔ اسیطرح پڑھنا لکھنا بھی اُنہیں کا کام ہے۔ اب رہی صحبت۔ سو خدا کے فضل سے یہاں آوا کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ میکے میں نانی۔ دادی۔ ماں۔ بہن۔ بھاوج چچی۔ خالہ۔ پُھپّی۔ اور سُسرال میں ساس۔ نند۔ دیورانی

جٹھانی - خلیا ساس - چچیا ساس - پھپیا ساس - غرض سارے
کنبے میں چھوٹے سے لیکر بڑی تک اور جوان سے لے کے
بوڑھی تک کوئی اتنی نہیں جسکے پاس بیٹھکر تم کچھ آدمیت
سیکھو - جسے دیکھو اُسے اِسکے سوا کچھ نہیں آتا کہ چار
سر جوڑ کر بیٹھ گئیں اور زمانہ کی بُرائی کرنی شروع کی -
کوئی ساس نند کا جھینکنا جھینکتی ہے - کوئی دیورانی
جٹھانی کا دُکھڑا روتی ہے - کوئی بہو پر زہر اُگلتی ہے -
کوئی خاوند کا صبر سمیٹتی ہے - کوئی کسیکی شادی کو نام
دھرتی ہے - کوئی کسیکے جہیز پر ہنستی ہے - کوئی کسی کی
ذات میں عیب نکالتی ہے - اور جو اس میں کسی نے کسی
کی بات کاٹ دی تو آپس ہی میں جنگ ہونے لگی -
اِس کے سوا مزاجوں کا وہ حال ہے کہ جو ذرا تیز مزاج ہیں وہ تو
چلتی ہوا سے لڑتی ہیں - بات اِس طرح کرتی ہیں جیسے
کسی نے پتھر دے مارا - میاں سے بات بات میں اُڑینچ[۵۱]
نکالنی - بچوں کو خواہی نخواہی کوسنا - نوکروں سے

[۵۱] بدمزگی کی باتیں کرنا -

حق ناحق اُلجھنا - اور جن کے مزاج میں ذرا دھیما پن ہے
اُن کی یہ صورت ہے کہ اُن سے ہلکر پانی نہیں پیا جاتا -
ماماں نے جیسا پکا دیا ویسا کھا لیا - مغلانی نے جیسا سی دیا
ویسا پہن لیا - کھانے میں نمک زیادہ پڑ گیا تو بلا سے
کپڑے میں جھول رہ گیا تو جوتی کی نوک سے - پانی کی
ٹھلیاں کھلی پڑی ہیں تو کچھ خبر نہیں - برتن بے قلعی ہوگئے
ہیں تو کچھ پروا نہیں - ایسوں کے پاس بیٹھکر آدمی تو کیا
بنوگی اور کہیں رہی سہی آدمیت بھی نہ کھو بیٹھو ؟ ہاں ایک
نیا مذہب سارے جہان سے نرالا - ساری خدائی سے
انوکھا - نہ جس کا قرآن میں پتا نہ جسکا حدیث میں ذکر - وہ
البتہ سیکھ جاؤ گی - میں نے کہا - اماں جان ! کیا عورتوں کا
مذہب دور پار سب سے جدا ہے - کہا - بیٹا ! کیا تم نے
اُن کے مسئلے نہیں سُنے ؟ سچ ہے تم کہاں سے سُنتیں ؟
اگر تمہاری ماں بھی اول دن سے تم کو یہی باتیں سکھاتی
اور نماز روزہ کی جگہ انہیں باتوں کی تاکید رکھتی تو تم کو
معلوم ہوتا کہ عورتوں کے دلوں میں کیا کیا خبط سمائے ہوئے

ہیں؟ میں نے کہا۔ اچھی اماں جان! وہ کیا مسئلے ہیں ذرا
مجھے بھی تو سُنا دو؟ کہا۔ بیٹیا! ایک بات ہو تو کہوں
اُنھوں نے تو ہزاروں خرافات جوڑ رکھے ہیں۔ قینچی
نہ بجاؤ۔ دستپناہ[1] نہ بجاؤ۔ چاکو سے ناخن نہ لو۔ ٹھلیا پر ہاتھ
دھرکے پانی نہ پیو۔ یہ سب باتیں نحوست کی نشانی ہیں۔
ننگے سر پانی پیو تو سر پر ہاتھ رکھ لو۔ چوکھٹ پر ہاتھ رکھکر
کھڑے نہ ہو اور بھولے سے رکھ دیا تو دونو ہاتھوں کو
چوم لو۔ دو آدمیوں کے بیچ میں سے آگ نہ نکالو نہیں تو
اُن میں لڑائی ہو جائے گی۔ چھلنی سر پر نہ رکھو نہیں تو
گنج ہو جائے گا۔ ترازو سے کھڑے ہوکر نہ تولو نہیں تو
برکت جاتی رہے گی۔ کھانا کھا کر انگڑائی نہ لو نہیں تو
کھایا پیا سب کُتّے کے پیٹ میں چلا جائے گا۔ جھاڑو کو
بدن سے نہ لگنے دو نہیں تو بدن سینک سا ہو جائیگا۔
دُوئی کو بدن سے نہ لگنے دو نہیں تو کھانے کا ہوکا ہو جائیگا
ٹھکرایا ہوا یا لانگا ہوا پانی نہ پیو۔ جس پلنگ پر بچہ سوتا ہو

[1] چمٹا۔

اُسے پٹیاں پکڑ کر نہ اُٹھاؤ اور جو اُٹھالیا تو دونو طرف سے
ہاتھ ہِلا کر چُوم لو۔ جس پانی کو تین ہاتھ لگ جائیں اُسے
پھینک دو یا چوتھا ہاتھ لگالو۔ کہیں بیٹھ کر پاؤں نہ ہلاؤ۔
رِزق ہلتا ہے۔ چراغ کو پھونک مار کر نہ بُجھاؤ مونھ میں سے
بدبُو آنے لگیگی۔ بچّوں کو دُودھ۔ دہی۔ چانول کھِلاؤ تو
راکھ چٹا دو نہیں تو نظر ہو جائے گی۔ بدن میں کپڑا سینے
سے نیستی آتی ہے۔ گھر میں سِیہ کا کانٹا رکھنے سے لڑائی
ہوتی ہے۔ جس پر مَرت بیائی[۱] کا آنچل پڑ جائے اُس کا بچّہ
بیمار ہو جائے گا نہیں تو آنچل کا کونا کتر کر جلا دو۔ کسی کے
ہاں مہمان جاؤ تو تیسرے دن نہ آؤ۔ بُدھ کے دن کسیکے
ہاں نہ جاؤ۔ دولہن کا جوڑا سیو تو سات سُہاگنوں کا ہاتھ
لگالو۔ صبح کو کوّا بولے تو جانو کوئی عزیز پردیس سے آنیوالا ہے
اُسکے سامنے سب پردیسیوں کے نام لینے شروع کرو
جسکے نام پر وہ اُڑ جائے وہی آئے گا۔ صبح اُٹھتے ہی حکیم
کا نام لو تو چیرے والا اور دھوبن کا نام لو تو اُجلی کہو۔ چاندکو

[۱] جس عورت کے بچے مرجائیں۔

اُوپر والا - سانپ کو رسّی - ہیضہ کو تھتکارا - مسان[ف] کو بِناواں کہو - رات کو کُتّے بھونکیں تو جانو اُنہیں شیطان دِکھائی دیتا ہے - توا چُولھے سے اُتر کر ہنسے تو جانو کچھ خوشی ہونیوالی ہے - اُٹھتے ہوئے کوئی چھینک دے تو بیٹھ جاؤ - اُلٹی چارپائی کھڑی نہ کرو نحوست کی نِشانی ہے کپڑا بیونتو تو زمین کو چُھوا لو - پانی میں مُونھ نہ دیکھو - دوا پیو تو کٹورا اُلٹ دو - پاؤں پر پاؤں نہ دھرو نحوست آتی ہے جُوتی پر جُوتی چڑھ جائے تو جانو کہیں سفر کرنا ہے - کھانا کیسکے اُوپر سے نہ دو نہیں تو صدقہ ہوجائے گا - کسی پر سے لانگ کے نہ جاؤ نہیں تو سر دُکھے گا - ناکہ کھجلائے تو باہر سے آئے ہوئے مرد کی جوتی لے کر سات بار چُھوا لو نہیں تو بیمار ہوجاؤ گے - پہلیا نہ بجاؤ نحوست آتی ہے - جس نے دوسرا نکاح کیا ہو اُسے بیوی کی صحنک پر نہ بٹھاؤ - تیسری - تیرھویں - تیئسویں اور آٹھویں - اٹھارویں - اٹھائیسویں یہ سب تاریخیں نحس ہیں -

[ف] پسلی کا درد جو بچوں کو ہوتا ہے - [ف] قطع کرو -

ان میں کوئی نیا کام نہ کرو۔ بدھ کے دن سفر کو نہ جاؤ۔
جمعرات کو مسہل نہ لو۔ حکیم کے ہاں نہ جاؤ۔ فصد نہ کھلواؤ۔
رات کو ادوائن نہ کھینچو۔ چھپکلی کپڑوں پر گر پڑے تو
سونے کا پانی بدن پر ڈالو۔ ہچکیاں آئیں تو جانو کوئی یاد
کرتا ہے۔ مکھی مونھ میں چلی جائے تو جانو کچھ مٹھاس کھائینگے
بچہ کی آنکھیں دکھیں تو چھوت جھاڑو۔ بچہ کے چیچک نکلے
تو گوشت نہ بگھارو۔ اجلے کپڑے پہنکر نہ آؤ۔ نہا کر نہ آؤ۔
پلنگ پر جھاڑو نہ دو نحوست آتی ہے۔ کوری ٹھلیا بھری
جائے تو پہلے کسی مرد کو پانی پلالو۔ کسی کی ناک کو اپنا
ہاتھ لگ جائے تو اُس کا ہاتھ اپنی ناک کو لگالو نہیں تو
وہ بیمار ہو جائے گا۔

غرض اسیطرح کی سیکڑوں باتیں ہیں کہاں تک
بیان کروں۔ اور بٹیا ہمارے شہر میں تو جب سے عورتیں
کچھ کچھ پڑھنے لکھنے لگی ہیں بہت باتیں چھوٹ بھی گئیں ہیں پر
قصبات کی عورتیں اب تک ان باتوں کو مانے جاتی ہیں
ایک بھلے مانس کہیں باہر کے رہنے والے ہمارے پڑوس

میں آ کر رہے تھے اُن کی عورتوں سے ہمارا بھی مِلنا جُلنا تھا
انہیں جو دیکھا تو اسیطرح کی سیکڑوں باتیں اُن کی
زبان پر تھیں۔
اِسکے سِوا تیج تہوار۔ موت شادی میں جو رسمیں
ہوتی ہیں اُن کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔ اُنمیں نہ کچھ دین کا
فائدہ ہے نہ دُنیا کا اور لاکھوں روپیہ یُونہیں برباد ہوتا ہے
مرد کماتے کماتے تھک جاتے ہیں پَر عورتیں اُٹھاتی
اُٹھاتی نہیں تھکتیں۔ تمہارے ابا کہتے تھے کہ انگریزوں نے
یہاں کی رسمیں ایک کتاب میں لکھ کر اپنی ولایت کو
بھیجی ہیں۔ جب سے میں نے یہ بات سُنی ہے۔ مجھے
رہ رہ[1] کے خیال آتا ہے۔ ہے ہے! جس ملک کا بچہ بچہ
پڑھا لکھا اور کیا مرد اور کیا عورت سب عقل کے پُتلے ہیں
جب وہ لوگ اُس کتاب کو دیکھتے ہوں گے تو ہماری
بیوقوفیوں پر کیسے ہنستے ہوں گے؟ اور ابھی کیا ہے
دیکھئے ہماری جہالت ہم کو اور کیا کیا دِکھاتی ہے؟ ہماری

---

[1] بار بار

بہنیں اسی بات پر چاہتی ہیں کہ خاوند ہمارے تابعدار
رہیں اور ہمارے پاؤں دھو دھو کر پئیں؟ ذرا اپنے گریبان
میں تو مونھ ڈال کر دیکھیں کہ ہم کون ہیں اور کن کو اپنا تابعدار
کیا چاہتی ہیں؟ اگر تمہارا دل بَیل اور گائے بکری سے ملجائے
تو تمہارے خاوندوں کا دل بھی تم سے مِلے۔ تم میں اور اُنہیں
اِتنا ہی فرق ہے جتنا آدمی اور جانور میں۔ ہاں جو تم بھی پڑھ
لکھ کر آدمی بنو تو تم سے زیادہ کوئی اُن کا دوست اور غمخوار
نہیں۔ سنو! آدمی کا دِل آدمی سے جبھی مِلتا ہے جب
دونو کی طبیعت ایک سی ہوتی ہے۔ بچوں کے ساتھ کیسا
ہی پیار اخلاص کرو مگر وہ بڑوں کی صحبت سے سوسو کوس
بھاگتے ہیں۔ لیکن کوئی بڑا آدمی اُن میں مِل کر اُنہیں کے
سے کھیل کھیلنے لگے تو اُن کا پَرچانا کچھ بھی مشکل نہیں۔
اِسیطرح بڑے بوڑھے جوانوں کی صحبت سے گھبراتے ہیں
لیکن اگر کوئی جوان آدمی بھاری بھرکم بن کر بوڑھوں کی سی
باتیں کرنے لگے۔ تو وہ اُس سے گھُل مِل کر باتیں کریں گے۔
اور عورت مرد کا دل تو خدا کی قدرت سے مِلا ہوا ہے جسطرح

مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اسیطرح مرد
کا دل عورت کی طرف خود بخود کھچتا ہے۔ اب اگر عورت میں
ایک اِتنی بات اور ہو کہ جو کام کرے اسکے مزاج کے
موافق کرے اور جو بات کہے اُس کے جی لگتی کہے تو
پھر مرد کو اور کیا چاہیئے؟ یقین تو یہ ہے کہ پھر گھڑی بھر
کے لیے اُسکی جدائی گوارا نہ کرے۔ مرد کو ایسا سمجھو
جیسے پیاسا اور عورت کو ایسا سمجھو جیسے چشمہ۔ اگر چشمہ
کے گِرد درختوں کا سایہ بھی ہے اور چاروں طرف
سبزہ بھی لہلہا رہا ہے اور ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی ہے
تو پانی پی کر پیاسے کا جی بے اختیار یہ چاہے گا کہ دو چار
گھڑی یہاں بیٹھ کر سبزہ کی بھی سَیر دیکھیے۔ اور جو
نِرا چشمہ ہی چشمہ ہے اور کچھ ایسی فضا کی جگہ نہیں ہے
تو پانی پی کر اپنا رستہ لے گا۔ اِسیطرح اگر گھر کی
بیوی مزاج کے موافق ہے تو خاوند اُس کے پاس بھی
بیٹھے گا۔ اُس سے بات چیت بھی کرے گا۔ اُس سے
صلاح بھی لے گا۔ اُس کا جی بہلیگا تو اِس سے بہلیگا۔

اُس کا دل لگیگا تو اِس کی صحبت میں لگیگا - کھانا - پینا - سونا
بیٹھنا - ہنسنا - بولنا - کوئی چیز اِس کے بغیر بھلی نہیں لگنے کی
لیکن مردوں کا مزاج پہچاننا اور ہر ایک بات اُن کے
مزاج کے موافق کرنی اور اُن کے دِل میں گھر کرنا عورت
کو بغیر علم کے نہیں آسکتا - کیونکہ گھر کی چار دیواری میں ایسی
چیز جو اُسکو آدمیّت سکھائے عِلم کے سوا کوئی نہیں -
بلکہ جو عورتیں باہر پھرتی ہیں وہ بھی بغیر عِلم کے کچھ سلیقہ
حاصل نہیں کرسکتیں - ہندوستان میں بیسیوں
قومیں ایسی ہیں جن کے ہاں پردہ کا دستور نہیں پر
میاں بیوی میں اُن کے ہاں بھی اَنْ بَنْ رہتی ہے -
ہاں انگریزوں میں بیشک یہ بات سُننے میں آئی ہے کہ
جیسی اُن کے ہاں میاں بیوی میں محبت ہوتی ہے ایسی
کہیں نہیں ہوتی - بس اِس کا سبب یہی معلوم
ہوتا ہے کہ اُن کی عورتیں پڑھی لکھی قابِل ہوتی ہیں -
ہر طرح خاوندوں کا دِل ہاتھ میں رکھتی ہیں - کوئی
بات اُن کی مرضی کے خِلاف نہیں کرتیں - خاوند بھی

اُن کا دَم بھرنے لگتے ہیں - بٹیا! عِلم بڑی شے
ہے - اَگلے زمانہ میں جو پڑھی لِکھی عورتیں گزری ہیں
اُنھوں نے مردوں سے بھی بڑھ کر کام کیے ہیں -
شاہجہاں بادشاہ نے اپنی بیٹی رَوشن آرا بیگم
کو خوب پڑھایا لکھایا تھا - جب عالمگیر نے باپ کو قید
کیا تو روشن آرا نے باپ کا ساتھ نہ چھوڑا - اور آپ
بھی شاہجہاں کے ساتھ قید خانہ میں چلی گئی اور ہمیشہ
لونڈیوں کی طرح باپ کی خدمت کرتی رہی - دیکھو
عالمگیر سا بیٹا - پڑھا - لکھا - مولوی - نمازی - پرہیزگار
اُس نے تو باپ کے ساتھ وہ سلوک کیا اور بیٹی نے
یہ حق ادا کیا کہ آجتک لوگ اُسکی تعریف کرتے ہیں - یہ
ساری عِلم کی خوبیاں ہیں - اور خیر یہ تو اگلے زمانہ کی
بات ہے شاید کوئی نہ بھی مانے - میں تمھیں اِس سے
بھی پاس کی بات بتاؤں - تمھارے باپ سے ایک
انگریز سے ملاقات تھی - اُس کی میم سے ہمارا بھی
مِلنا جُلنا تھا - وہ ایک دِن کہتی تھی کہ ہماری بادشاہزادی

ملکہ وکٹوریا نے ایک کتاب لکھی ہے - اُس میں اوّل سے آخر تک اپنے میاں کا اور اپنا اور اپنی اولاد کا حال لکھا ہے - اُس میں بیسیوں باتیں ایسی ہیں جن کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اکبر! خدا تعالیٰ نے دُنیا میں ایسی ایسی عورتیں بھی پیدا کی ہیں - خیر بادشاہزادیوں کی رِیس کرنی تو مشکل ہے پَر آدمی اتنا تو ہو کہ اپنے نفع کو نفع جانے - اپنے نقصان کو نقصان سمجھے - یہ نہیں کہ بڑے بوڑھوں سے جو کچھ سُن لیا اُسی پر جمے ہوئے ہیں خواہ اِس میں نفع ہو خواہ نقصان ہو - بچّہ چیچک میں مرے یا جیئے پَر کیا ذکر ہے جو اس کا عِلاج ہو - بہت کیا سونے کا پانی پِلادیا - یا بیٹھکر نیم کی ٹہنی جھلنے لگیں - ہاں یہ روک ٹوک ضرور ہوگی کہ گھر میں گوشت نہ پکنے پائے - کِسی کھانے کو بگھار نہ دیا جائے - جو نہاکر یا اُجلے کپڑے پہنکر آئے اُس کا پَرچھاواں بچہ پر نہ پڑے سرکار نے جو ٹیکا نکالا ہے اُس کا یہ حال ہے کہ اگر سَو بچوں کے لگایا جائے تو خدا کی ذات سے امید تو یہ ہے

کہ سو میں نوے کے تو بالکل نہ نکلے اور دس جو باقی رہے
اُن کو بھی خدا کے فضل سے کچھ ایسی جوکھوں نہیں۔ اگر
نکلی بھی تو کم نکلے گی۔ تمہارے ابا ایک دن کہتے تھے
کہ میں نے آجتک کسی انگریز کے مونھ پر چیچک کا داغ
نہیں دیکھا۔ مگر یہاں یہ صورت ہے کہ ٹیکے کے نام سے
ہول آتا ہے۔ سرکاری ڈاکٹر چیچک کے دنوں میں
گلی گلی پھرتے ہیں کہ کوئی اپنے بچہ کے ٹیکا لگوائے۔ مگر
یہ ایسی ڈرتی ہیں جیسے کوئی موت سے ڈرتا ہے۔ جہاں
ڈاکٹر کا نام سُنا اور دروازوں کی کُنڈیاں دے لیں۔
آگے چل کر گلرالی۔ بد۔ اور نگ زیبی۔ کنٹھمالا۔ کنپہیڑ
اور اور طرح طرح کے پھوڑے پھُنسی جو بچوں کے
نکلتے ہیں اُن میں مہینوں بچوں کو گلاتی ہیں۔ اور
ہندوستانی جراحوں کے ڈھکوسلوں پر رکھتی ہیں۔
یا مُلّا سیانوں سے جھڑواتی ہیں۔ پر ڈاکٹری علاج
جس سے ایسے ایسے برسوں کے روگ ایک آن کی
آن میں جاتے رہتے ہیں۔ اُس کی ہوا تک نہیں لگنے

دیتیں۔ پھر جب بچہ کو تپ بخار کا عارضہ ہوگا حکیم کو کبھی نہ دکھائیں گی۔ نظر گذر کے بھلاوے میں کچھ اور ہی اور علاج کریں گی۔ کہیں نون رائی یا کالے دانے کی دُھونی دیں گی۔ کہیں بچہ پر سے صدقہ اُتار کر چوراہے میں رکھوائیں گی۔ پھر جب بچہ کی آنکھیں دُکھیں گی کبھی حکیم یا کحال کا علاج نہ کریں گی۔ علاج میں علاج کریں گی تو یہ کریں گی کہ ایک رسّی پر چیتھڑا لپیٹ کر ایسی جگہ ڈلوائینگی جہاں آئے گئے اُس پر سے لانگ کر جائیں۔ پھر اُس کو تیل میں ڈبو کر روشن کریں گی۔ اور باسن میں پانی بھر کر بچہ پر سے چھوت جھاڑیں گی اور ہر بار بچہ سے یہ پوچھتی جائیں گی کہ چھوت جھڑی؟ وہ کہیگا ہاں چھوت جھڑی۔ تیسری بار اُس بتی کو پانی میں ڈال دیں گی۔ آگے چل کر جس عورت کی اولاد نہیں جیتی اُس کے کچھ اور ہی اور علاج ہیں۔ کہیں گرہشت ہے۔ کہیں نہان ہے کہیں یہ روک ٹوک ہے کہ کڑھائی کا پکا نہ کھائے۔ انڈا نہ کھائے۔ مچھلی نہ کھائے۔ گڑ۔ یا دودھ۔ دہی نہ کھائے

میت میں نہ جائے - چھٹی میں نہ جائے - اِس کے سوا اور
بیسیوں خرافات ہیں - یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ خدا کو زندگی
دینی ہوگی تو ہر طرح جیے گا - اور جو اُسی کو منظور نہیں
تو ان واہی تباہی باتوں سے کیا ہوتا ہے - پھر جس کے
سرے ہی سے اولاد نہیں ہوتی اُس کے لیے کہیں پریونکی
چوکیاں بھرتی ہیں - کہیں بیٹھکیں دیتی ہیں - جن کے سر پر
پریاں آتی ہیں اُن کے آگے تمام تمام رات ڈومنیاں
گاتی ہیں اور وہ خود سر ہلاتی جاتی ہیں اور جو جی میں آتا ہے
سو مانگتی ہیں - پریوں کا یہانتک ادب ہے کہ اُن کا نام
نہیں لیتیں - جب کہتی ہیں اوپر والیاں کہتی ہیں - کوئی
ان سے پوچھے پریاں کون بلا ہیں جو اولاد دیں گی؟ اولاد
کا دینا نہ دینا مالک کے اختیار ہے - جسے چاہے دے
جسے چاہے نہ دے - اِسکے سوا اڑے بھڑے وقت میں
خدا کو چھوڑ کر کوئی اللہ بخش کو مانتی ہے - کوئی شیخ سدّو
کا بکرا دیتی ہے - کوئی سید احمد کبیر کی گائے چڑھاتی ہے
کہیں بالے میاں پجتے ہیں - کہیں ننّھے میاں مانے

جاتے ہیں۔ کہیں دریاخاں کا عمل دخل ہے۔ غرض اسیطرح جسے دیکھو ایک نہ ایک بلا میں پھنسی ہوئی ہے

خیر یہ باتیں تو ایسی ہیں کہ اب اب کرکے شہر میں سے بہت جاتی رہی ہیں۔ اور جو ہیں تو جاہل اور اَن پڑھ لوگوں میں ہیں جن کے ہاں کے مرد عورت علم سے بالکل کورے ہیں۔ اور یہ عیب بھی ایسے ہیں کہ آدمی کچھ بھی سمجھ رکھتا ہو تو سمجھائے سے سمجھ سکتا ہے پر بٹیا! ان کے سوا اور بہت سی گپتی بیماریاں ایسی ہیں جنہیں آدمی کچھ چیز نہیں سمجھتا اور وہ اسکا کام تمام کیے جاتی ہیں۔ ان بیماریوں کا سمجھنا اور انکا علاج کرنا اُسی شخص کا کام ہے جسکی آنکھ پر علم کی خوردبین لگی ہوئی ہے۔ اِس وقت جتنی یہاں بیٹھی ہیں خواہ اِس میں مَیں ہوں۔ خواہ تم ہو۔ خواہ اور کوئی ہو وہ آزار سب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ پر یہ کسیکو گوارا نہیں کہ ہماری بیماریاں کسی پر ظاہر ہو جائیں۔ اِس وقت اگر کسی کے سامنے کہدو کہ تمہیں یہ بیماری ہے،

تو وہ فوراً بُرا مان جائے۔ اسی لیے تو وہ بیماریاں مشکل سے جاتی ہیں۔ جیسے لکڑی کو گھن لگجاتا ہے اسیطرح اندر ہی اندر وہ آدمی کا کام تمام کر دیتی ہیں۔ یہ جو ظاہر کی بیماریاں ہیں اِن میں تو جان کا ڈر ہے اور اُن میں ایمان کا خوف ہے۔ میں نے کہا اچھّی اماں جان! وہ کیا بیماریاں ہیں؟ کہا۔ بیٹیا! وہ یہ بیماریاں ہیں کہ اِنسان اپنے تئیں سب سے اچھّا جانے اور اپنے سامنے کیسکو کچھ نہ سمجھے۔ کیسکو اچھے حال میں دیکھے تو جلجائے۔ دِل میں کپٹ[۱] رکھے اور ظاہر میں دوست بنا رہے۔ لوگوں کو پیٹھ پیچھے بُرا کہے اور سامنے خوشامد کرے۔ جس سے ملے اپنی غرض کے لیے ملے۔ اپنے فائدے کے لیے دوسرے کے نقصان کا روادار ہو۔ نیک کام لوگوں کے دِکھانیکو کرے۔ کسی پر ذرا سا احسان کرے تو ایک ایک سے کہتا پھرے۔ اَوروں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر عیب نِکالے

[۱] کینہ۔ بُغض۔

اور اپنے عیبوں سے آنکھیں بند کرلے۔ کسی میں
ایک عیب دیکھے تو اُس کی ساری خوبیوں پر
پانی پھیر دے۔ اِسیطرح لالچ۔ ہوکا[۱]۔ لُترا پن[۲]۔
جھوٹ۔ مکر۔ دغا۔ یہ سب بیماریاں ہیں۔ خدا دشمن
سے دشمن کو یہ آزار نہ لگائے۔ چوری۔ جُوا۔ بدکاری
یہ عیب بلا سے ایسے تو ہیں کہ اِن کا کرنے والا اِن کو
عیب تو جانتا ہے۔ اور یہ عیب جو میں نے بتائے
اِن کا تو حال ہی نہیں کُھلتا۔ غرور کرنے والا کبھی اپنے
آپ کو مغرور نہیں جانتا۔ غیبت کرنے والا کبھی
کسیکی بُرائی کرنے سے شرمندہ نہیں ہوتا۔ فریبی
ہمیشہ فریب دینے کو ہنر جانتا ہے۔ میں نے کہا اماں جان
پھر یہ عیب آدمی سے کیونکر چھوٹیں؟ کہا۔ بیٹیا! اِن کا
عِلاج اُسی سے ہوسکتا ہے جو علم رکھتا ہے۔ اور
ہر وقت اخلاق کی کتابیں دیکھتا رہتا ہے۔ اور ہر ایک
عیب کو اِس طرح جانتا ہے جیسے طبیب ہر ایک

[۱] کھانے کا حریص ہونا [۲] چغلی کھانا۔ پیٹھ پیچھے بُرا کہنا۔

بیماری کی جڑ کو پہچانتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری
بادشاہزادی **ملکہ وکٹوریا** ایسی رحمدل اور
خلق والی ہیں کہ ایسا ہونا مشکل ہے۔ غرور اور گھمنڈ
کہیں اُن کے پاس ہوکر نہیں گذرا۔ سنا ہے کہ ایکدن
کہیں گاڑی میں بیٹھی ہوئی سڑک پر چلی جاتی تھیں
اور آبادی وہاں سے بہت دُور تھی۔ ایک بوڑھا آدمی
گھاس کا گٹھا سر پر رکھے چلا جاتا تھا۔ **ملکہ** نے اُسکا
گٹھا گاڑی میں رکھوالیا۔ اور اُس کو گاڑی کے پیچھے
بٹھالیا۔ جب وہ جگہ آگئی جہاں اُس کو پہنچنا تھا تو ملکہ نے
فرمایا جاؤ تمہاری جگہ آگئی۔ وہ اُترکر آداب بجا لایا اور
عرض کیا کہ آج میری ماں جیتی ہوتی تو وہ بھی میرے ساتھ
اس سے زیادہ نہ کرتی جو حضور نے کیا۔ اسیطرح ایک
دن رستہ میں کچھ ہجوم سا تھا۔ ملکہ کی گاڑی جو اُدھر کو
آئی نوکر چاکر لوگوں کو ہٹانے لگے۔ ملکہ نے دیکھا کہ انبوہ
بہت ہے فوراً گاڑی سے اُترلیں اور جب تک اُس
ہجوم سے نہ نکل لیں سوار نہ ہوئیں۔ اسیطرح ایک دن

ایک شہزادہ کھیلتا کھیلتا دریا کی طرف جا نکلا۔ وہاں کسی غریب کا لڑکا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ شہزادہ نے اُس سے مچھلیاں مانگیں۔ اُس نے ایک مچھلی تو دے دی پھر جو مانگی نہ دی۔ شہزادہ نے کچھ سختی کی۔ وہ اِن سے عمر میں بڑا تھا اُس نے اِنہیں خوب مارا۔ کسیطرح یہ خبر ملکہ کے حضور میں بھی پہنچ گئی۔ ملکہ نے اُس لڑکے کو بُلا کر بہت آفریں کی اور کہا۔ شاباش! تم بڑے غیرت دار اور بہادر ہو کہ بادشاہ کی اولاد سے بھی نہ ڈرے۔ پھر اُسکو شہزادوں کے ساتھ تعلیم و تربیت کرایا اور تجارت کے لیے روپیہ دیا۔ اُسی مُلک میں ایک جزیرہ ہے وہاں اُس کے برابر کوئی سوداگر نہیں۔

دیکھو علم والوں کا ایسا خُلق ہوتا ہے۔ آج ایک ادنیٰ ماماں کا ایک روپیہ سے دو روپیہ مہینہ ہوجاتا ہے تو سیدھے مونھ سے بات نہیں کرتی اور جو دو ولا تو نکی وارث ہے اُس کا یہ حال ہے۔ یہ سارا علم کا ظہور ہے۔

غرض امّاں جان یہی باتیں کر رہی تھیں کہ اِس میں

مغلانی جی بھی چلی آئیں۔ اُس روز دن کو یہ ہوا تھا کہ ہمارے کُنبے کی دو ایک لڑکیاں آگئی تھیں۔ میں جو اُنسے باتوں میں لگی مغلانی پاس جانا بھول گئی۔ جب یاد آیا تو اُس وقت دس بج چکے تھے وہ میرے لکھنے کا وقت تھا اِس لیے نہ گئی۔ اب جو میں نے مغلانی کی صورت دیکھی دل میں سمجھی کہ یہ ضرور اس وقت تیری فریاد کریں گی۔ امّاں جان کے ڈر سے کچھ بہانا کر کے ٹل گئی۔ میرے پیچھے مغلانی نے خوب کان بھرے[۱]۔ امّانجان اُس وقت تو سُنکر چپکی ہو رہیں۔ دوسرے دن جب وہی وقت آیا تو مجھے خوب آڑے ہاتھوں لیا[۲]۔ پہلے تو خفا ہوئیں پھر رسان میں سمجھانے لگیں۔ بیٹیا! عِلم بادشاہ ہے اور ہُنر اُس کا وزیر ہے۔ جیسے بادشاہ بغیر وزیر کے نِکمّا ہوتا ہے اسیطرح عِلم بغیر ہُنر کے دُنیا میں کچھ کام نہیں آتا۔ عورتوں کو جو عِلم پڑھاتے ہیں اسلیے پڑھاتے ہیں کہ بُری عادتیں چھوڑ دیں۔ اچھی عادتیں اختیار کریں۔ خدا رسول کو پہچانیں۔ گھر کا

[۱] شکایت کی [۲] دھمکایا۔ شرمندہ کیا۔

بندوبست اچھی طرح کریں۔ اولاد کی تربیت کرنی
سیکھیں۔ خاوند کا دل ہاتھ میں رکھیں۔ عورتوں کا
علم اڑے وقت[۹۱] میں کبھی کام نہیں آتا۔ وہاں آتا ہے تو
اپنے ہاتھ کا ہنر ہی کام آتا ہے۔ کیا تم اس بات پر بھولی[۹۲]
ہو کہ باپ کے گھر میں خدا کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ واری!
ایسا خیال ہرگز نہ کرنا۔ بس خدا بری گھڑی ہی نہ لائے
نہیں تو ایک دم میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ ہماری تو
کیا بساط ہے؟ جب برا وقت آتا ہے تو ملک کے وارث[۹۳]
ایک ایک روٹی کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ خیر نادرگردی[۹۴]
اور شاہ گردی کو تو ایک زمانہ[۹۵] گذرا اُسے جانے دو۔
یہ تو کل کی بات ہے کہ جب **غلام قادر** نے **شاہ عالم**
کی آنکھیں نکالیں تو قلعہ اور شہر پر کیسی کیسی مصیبتیں پڑیں
جن امیرزادیوں کے سامنے دس دس نوکریں کام کرنیکو
ہر وقت موجود رہتی تھیں وہ آپ برقع اوڑھے گلی گلی

---

۹۱ مصیبت کے وقت ۹۲ نازاں ۹۳ بادشاہ ۹۴ نادرشاہ
کے وقت کا انقلاب ۹۵ بہت عرصہ

ماماں گیری کی نوکریاں ڈھونڈھتی پھرتی تھیں اور کوئی نہ پوچھتا تھا۔ اور جو ٹکے کی مزدوری کرکے کھاتی تھیں انکو خدا نے اُس وقت بھی سب کچھ دے رکھا تھا۔ اور بنّو! یہ بڑی بیوقوفی کی بات ہے کہ مردوں کی کمائی کے بھروسے پر آپ ہنر پیشہ کچھ نہ سیکھیں۔ انگریزوں سے زیادہ تو بیویوں کی خاطرداری جہان میں کوئی نہ کرتا ہوگا اور اُنکے مردوں کو آج خدا نے دے بھی سب کچھ رکھا ہے۔ لیکن سُنا جاتا ہے کہ اُن کے ہاں ہنر سے خالی کوئی عورت نہیں ہوتی۔ ایسے ایسے کام کرتی ہیں کہ کیا کوئی مرد کریگا۔ اور تو اور[۱] ہماری شاہزادی ملکہ وکٹوریا کو جہاں اور بیسیوں ہنر آتے ہیں ایک تصویر ایسی کھینچتی ہیں کہ کوئی اور کھینچتا ہوگا تو اِتنی ہی کھینچتا ہوگا۔ بھلا جب ملک کی مالک کا یہ حال ہو تو ہم کس گنتی میں ہیں۔ سنو! میں جو تم سے ہر بات پر اتنی مغز زنی کرتی ہوں کچھ اپنے لیے نہیں کرتی تمہارے ہی فائدے کے لیے کہتی ہوں۔ اب تو کیا مگر بڑی

[۱] غریب لوگ تو ایک طرف رہے۔

ہوکر اِن باتوں کی قدر جانوگی - اِس وقت تو ہماری خفگی تم کو بیشک بُری معلوم ہوتی ہوگی لیکن اب کوئی دِن جاتا ہے کہ اِس خفگی کو یاد کروگی - ہاں میں ہاں مِلانے والے تو بیسیوں مِل جائیں گے پر خفا ہونیوالا ہمارے بعد کوئی نہیں مِلنے کا - غرض بارہ بجے تک اِسیطرح کی نصیحتیں کرتی رہیں - پھر سب اُٹھ کر اپنے اپنے بچھونوں میں جا سوئے ؛

چوتھی مجلس

زبیدہ خاتون کا باقی بیان

جب مجھے سینا پرونا۔ پکانا رندھنا اچھی طرح آگیا اور اماں جان نے یہ جان لیا کہ اب یہ کسی کام میں رکنے والی نہیں۔ ایک ایک کھانا بیس بیس پچیس پچیس بار مجھ سے پکوا کر دیکھ چکیں۔ سینے پرونے کے کام میں تیپچی۔ بخیہ۔ تُرپنا۔ چھانٹنا۔ قطع کرنا۔ سب باتوں میں میری طرف سے خاطر جمع کر چکیں۔ آگے چل کر جالی۔ کشیدہ اور گوٹے ٹھپے کے کام بھی مجھ سے بار بار لے چکیں تو ایک دن اُسی معمولی وقت پر مجھے بلا کر پہلے تو کچھ اور باتیں کرتی رہیں پھر فرمانے لگیں سنو اماں[۱]! آدمی جو ہنر سیکھتا ہے یا تو خوشی سے سیکھتا ہے یا لاچاری سے۔ اور جو کام کرتا ہے یا تو اپنے شوق سے کرتا ہے

---

[۱] محبت سے بیٹی کی جگہ اماں کہا ہے۔

یا کسی کے دباؤ سے۔ مگر اتنا فرق ہے کہ جو بات دل کی اُمنگ سے ہوتی ہے اُس سے کبھی جی نہیں گھبراتا اور دِل لگتا ہے۔ اور جو کام ایکبارگی سر پر آپڑتا ہے وہ بہت دُوبھر[۱] معلوم ہوا کرتا ہے۔ آج تم کو ماں باپ کے گھر میں خدا نے نوکر چاکر سب کچھ دے رکھے ہیں جو تم چاہو تو ہلکر اپنے ہاتھ سے پانی نہ پیو۔ تمھارے زبان کے ہلانے میں خدا کے فضل سے سب کام ہو سکتے ہیں۔ جو چاہو کھاؤ۔ جو چاہو پہنو۔ اپنی نیند سوؤ۔ اپنی نیند اُٹھو۔ کوئی تمھارا مزاحم نہیں۔ پر واری! سدا ماں باپ کے گھر رہنا نہیں اب کوئی دن میں تم کہیں ہوں گی ہم کہیں ہوں گے۔ اول تو ہماری زندگی ہی کَے دن کی ہے۔ آج مُوئے کل دُوسرا دِن اور جب تم بیاہی گئیں پھر ہم جیتے بھی رہے تو تمھارے کِس کام کے؟ اور یہ کِسے خبر ہے کہ تم غریب گھر جاؤ یا امیر گھر۔ اور جو امیر گھر بھی ملا تو وہاں اِس طرح بے فکری سے ایک گھڑی بھر نہیں بیٹھ سکتیں۔ اگر ساس نندیں موجود

[۱] مُشکل۔

ہیں تو کے دن کے لیے - نند آخر کسی نہ کسی دن بیاہی جائیگی پھر وہ کہاں اور تم کہاں ۔ یہی ساس - سو اول تو آجتک کہیں ساس بہو کی ایک جگہ نبھی نہیں[۵۱] اور جو نبھی بھی تو کب تک ؟ ماں باپ اور ساس سسرے کسی کے سدا جیئے ہیں نہ جیئیں - رہا خاوند - سو وہ مرد ذات ہے اُس کو گھر کے دھندوں سے مطلب کیا ؟ غرض ہر پھر کر ایک دن سارا بوجھ تمہیں کو اُٹھانا پڑے گا - لڑکی پھُوڑ[۵۲] ہو یا سگھڑ[۵۳] ماں باپ کے ہاں تو سب نبھ جاتی ہے - پر خدا نہ کرے جو کسیکی بیٹی سسرال میں جاکر پھُوڑ کہلائے - اگر ساس نندیں صاحبِ سلیقہ ہوئیں تو اُس کی بات بات پر ہنسیں گی - اسکے ہر ایک کام پر ٹھٹھے ماریں گی - اُس کے میکے کو نام دھرینگی[۵۴] اور جو اپنے بیر کے رشتہ[۵۵] پر آگئیں تو خاوند کے آگے بُرائیاں کر کر کے اُس کے دل سے گرادیں گی - اور جو وہ بھی اسی کیطرح احمق اور بیوقوف ہوئیں تو چار دن میں لاکھ کا گھر خاک ہو جائیگا -

---

[۵۱] موافقت نہیں ہوئی [۵۲] بے سلیقہ [۵۳] سلیقہ والی -
[۵۴] عیب نکالیں گی [۵۵] دشمنی -

اِس کہنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ اب تم خدا کے فضل
سے ہشیار ہوئیں۔ جسوقت لکھنے پڑہنے سے فراغت ہوا کرے
گھر کا انتظام کیا کرو۔ اب مغلانی پاس گھنٹہ گھنٹہ بھر بیٹھنا
اور باورچیخانہ کا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرنا کچھ ضرور
نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اب سینے پرونے یا پکانے رِیندھنے
کا کیسا ہی مشکل کام ہو تمہارے آگے رُکا نہیں رہنے کا۔
باہر کے خرچ کی تو مردوں کو خبر ہوگی مگر دوسو روپیہ مہینا
جو گھر میں اُٹھتا ہے اِس کا حساب روزمرہ لکھ لیا کرو۔ اسمیں
کچھ زیادہ بکھیڑا نہیں ہے کیونکہ میں نے اُدھار[۱] کا کام ہی
نہیں رکھا۔ ناک پر ٹکا رکھدیا[۲] اور چیز منگالی۔ میرے نزدیک
پیسا ہوتے سانتے[۳] اُچاپت[۴] میں سودا منگانا بڑی بیوقوفی کی
بات ہے۔ آگے بازار کا قرض کرنا تمہارے ابا کی بھی چڑ ہے
اور جب مہینا تمام ہوا کرے تو سارے مہینے کا حساب صاف
کر کے مجھے سُنا دیا کرو۔ دیکھنا یہاں نوکروں میں سے تو

---

[۱] قرض چیزیں خریدنا [۲] نقد دام دیدیے [۳] جب موجود ہو
[۴] قرض۔ اُدھار۔

کوئی نہیں بیٹھی؟ میں نے کہا۔ نہیں کوئی نہیں۔ آپ فرمایئے۔ کہا یہ جو روز بازار سے سودا آتا ہے اِسمیں یہ نامرادیں بڑی کُتر بیونت کرتی ہیں۔ دستوری بٹّے کے سوا روپیہ پیچھے چار آنے تو ان کے باپ دادا کے ہیں۔ جب تک میرے ہاتھ پاؤں چلتے رہے اور دِل ٹھکانے رہا میں نے اُن کا داؤں نہیں چلنے دیا۔ اب برس برس دن سے میں تو بالکل اپاہج ہوگئی ہوں۔ چلا پھرا مجھ سے نہیں جاتا۔ یاد مجھے کچھ نہیں رہتا۔ کہتی کچھ ہوں نِکلتا کچھ ہے۔ کِل کِل جھِک جھِک[۱] سے میرا آپ جی گھبراتا ہے جو اِن کا جی چاہتا ہے سو کرتی ہیں۔ ایک روپیہ میں آٹھ آنے کھا گئیں تو کوئی پُوچھنے والا نہیں اور جو روپیہ کا روپیہ ہی رَٹے[۲] میں ڈال دیا تو کوئی حساب لینے والا نہیں۔ بٹیا! اب اِن کا بندوبست تم کو کرنا چاہیئے۔ اِن کا علاج یہی ہے کہ سقنی۔ حلال خوری۔ کنجڑن۔ پِسنہاری۔ مالن دائی اور اور باہر کی پھرنے والیاں جو گھر میں آتی جاتی

[۱] تکرار۔ جھگڑا [۲] بھول چوک۔

ہیں ان کو ہر ایک چیز کا بھاؤ تاؤ خوب معلوم ہوتا ہے۔
کبھی کبھی ان سے بازار کا نرخ پوچھتی رہا کرو۔ جس
چیز میں کچھ فرق دیکھا وہی لانے والے کے سر سے مارا
اور سودا منگانے کا یہ دستور رکھو کہ سوکھی جنس جس کے
بگڑ جانے کا ڈر نہیں جیسے نمک۔ تیل۔ گھی۔ مصالح۔ گڑ۔
شکر۔ کھانڈ۔ چھالیا۔ زردہ۔ الائچی۔ کتھا۔ چونا وغیرہ ایسی
جو جو چیز اپنی اپنی فصل میں سستی آتی ہے وہ تو فصل کی
فصل اور باقی مہینے کے مہینے منگا لیا کرو۔ رہی ترترکاری
گوشت۔ دہی۔ دودھ وغیرہ یہ روز کے روز منگا لیا۔
پر ہمیشہ ایک ہی آدمی کے ہاتھ چیز منگانی اچھی نہیں۔ خدا
کے فضل سے گھر میں کئی عورتیں نوکر ہیں۔ آگے[۵] دو آدمی
ڈیوڑھی پر رہتے ہیں۔ کبھی اس سے منگا لیا کبھی اس سے
منگا لیا۔ اس میں ذرا لانے والے کو خوف رہتا ہے۔ رہا
اناج۔ سو تم کو منگانا ہی نہیں پڑنے کا۔ فصل کے سر ے
پر خدا کے دیے گیہوں۔ چنے۔ باجرہ۔ جوار۔ مسور۔ مکئی

[۵] اسکے علاوہ۔

سال بھر کے خرچ کے موافق آ ہی جاتے ہیں۔ اس کے سوا روز صبح شام کو ٹہیار[۵] میں آپ جاکر آٹا۔ دال۔ گھی چانول۔ کھانڈ۔ جتنا خرچ دیکھو اپنے سامنے تلوا کر دیا کرو گھر میں جو خرچ روزمرہ اُٹھتا ہے اُس کا تو ایک اندازہ باندھ لو۔ روز اُس کے موافق دیدیا کرو۔ اور جو کسی دن کوئی نئی چیز پکی یا کسی کے ہاں دعوت بھیجنی ہوئی یا کوئی مہمان آگیا تو اُسی قدر جنس بڑھا دی اور کبھی کبھی تھوڑی دیر کو آپ بھی باورچی خانہ میں جاکر بیٹھا کرو۔ اور کچھ نہیں نمک ہی چکھ لیا۔ ترکاری ہی چھیل لی۔ مصالح ہی بھون لیا اس میں کئی فائدے ہیں۔ پکانے والی کو خوف رہے گا۔ بے پروائی سے کام نہیں کرئی۔ کھانا اچھا پکے گا۔ اور تم کو بھی یہ عادت پڑی رہے گی۔ اسکے سوا پسائی کے لئے روز دھون دس سیر گیہوں چھڑوا پھٹکوا کر علیحدہ مٹکوں میں بھروا دیا کرو۔ جب پسنہاری آئے اناج تولکر اُسے دیدیا اور آٹا تول کر اُس سے آپ لے لیا اور

۵ جس مکان میں کھانے کی جنس رکھی جائے۔

اُس کی پسائی روز کی روز حساب کرکے دے دی اور
گھوڑے بیلوں کے لیے دانہ اپنے سامنے تُلوا کر باہر بھیجدیا کرو
جب کھانا پک کر تیار ہوجایا کرے اور تمہارے ابّا
دیوان خانہ سے گھر میں آجایا کریں تو چُولھے پر بیٹھکر اپنے
سامنے کھانا نِکلوایا کرو۔ پہلے جو باہر کوئی مہمان ہو اُسکے
لیے خاصگی[۱] کھانے میں سے کھانا بھیجدیا کرو۔ پھر اپنے
ابّا کے لیے روٹیوں کا دسترخوان اور دال سالن کی
رکابیاں سینی میں لگا کر آپ لِوا لایا کرو۔ پہلے اپنے ہاتھ
سے دسترخوان چُنا پھر چلمچی آفتابہ لے کر اُن کے ہاتھ
دُھلوائے۔ جب وہ کھانے پر بیٹھ گئے یہاں تو ماماں کو پانی
پلانے پر چھوڑا اور آپ باورچیخانہ میں چلی گئیں۔ اگر
کوئی چھپنے والی گھر میں مہمان ہوئی تو اُس کے اور اپنی اُستانی جی
کے لیے کھانا لے کر دوسرے مکان میں چلی گئیں اور سب نے
ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیا۔ اور جو کوئی مہمان نہ ہوئی تو
پہلے آپ اُستانی جی کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ پھر تصرفی[۲]

[۱] گھر کے معزز آدمیوں کا کھانا۔ [۲] معمولی کھانا۔

کھانے میں سے باہر کے نوکروں کو باہر بھیجدیا - اندر کی نوکروں کو اندر دیدیا - آٹا اِتنا پکوایا کرو کہ ستّے حلال خوری کو دیکر ایک آدمی کی خوراک بچ رہا کرے - اکثر مہمانوں کے ساتھ بال بچّے ہوتے ہیں خدا جانے کِس وقت کھانا مانگ بیٹھیں - اور تھوڑا بہت گوشت کسا ہوا ہر وقت تیار رکھا کرو شاید وقت بیوقت کوئی مہمان آجائے تو روٹی ہی کی فکر کرنی پڑے - جب سب کھانا کھا چکے پاندان کھولکر گلوریاں بنائیں - جو باہر بھیجنی ہوئیں خاصدان میں رکھکر باہر بھیجدیں - جن جن کو گھر میں دینی ہوئیں گھر میں دیدیں دال سالن کی رکابی جہاں کہیں بھیجا کرو اُس پر سرپوش ضرور ڈھک دیا کرو اور کھانا سینی میں لگا کر بھیجا کرو - دسترخوان ہمیشہ اُجلا اور باسن قلعی دار رہیں - پان کی گلوریاں جو باہر بھیجو سادی بنا کر بھیجا کرو اور زردہ خاصدان میں جُدا رکھدیا کرو - پان میں چُونہ اندازہ سے کم لگایا کرو - جب یہ ہو چکا اب ماماں سے کہہ کر سارے برتن منجھوائے اور گِن کر کوٹھری میں رکھوا دیے - برتن آٹھویں دن نہیں تو

پندرہویں دن ضرور قلعی کروالیا کرو۔ پتیلیوں پر دوسرے تیسرے دن تلا چڑھوادیا کرو۔ دسویں پندرھویں بوسے لیوا لیے۔ چھٹے چھماسے[۱] مصالح پیسنے کی سل بٹی رہے ست رہوالی۔ اور سب سے زیادہ پانی کا خیال رکھنا چاہیے۔ پانی کے مٹکے اور ٹھلیاں کھلی نہ پڑی رہیں۔ ڈھکنے اور پانی نکالنے کے ڈونگے اُن پر ہر وقت موجود رہیں۔ پانی پینے کا ہو یا برتنے کا ایسی جگہ رکھنا چاہیے جہاں دھوپ نہ آتی ہو۔ باسی پانی کی ٹھلیاں جدا اور تازہ کی جدا رہیں سقّے کو یہ تاکید رہے کہ کبھی باسی میں تازہ اور تازہ میں باسی پانی نہ ملنے پائے۔ اسی پانی کے ہیر پھیر سے بیسیوں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ تیل کا ایک اندازہ باندھ لو کہ گھر میں اتنا جلتا ہے اور ڈیوڑھی اور دیوانخانہ میں اتنا جلتا ہے اور یہ دیکھ لو کہ اسمیں کوئی چراغ بیجا تو نہیں جلتا۔ اور کہاں کہاں کب تک جلتا ہے؟ جب یہ معلوم ہو گیا۔ اب روز شام کو اُتھیں اور اُسی حساب سے تول کر نوکر کے حوالہ کیا

[۱] چھٹے مہینے۔

دھوبن کو کپڑے جب دو۔ گِن کردو۔ اور اُس سے جب لو
گِن کر لو اور جو یاد نہ رہ سکے تو لکھ لیا کرو۔ جب میلے کپڑے
اُترا کریں تو مردانے الگ اور زنانے الگ بندھوا کر رکھوا
دیا کرو۔ دھوبن آئی لے گئی اور ایک ایک کپڑا اُسے دِکھا کر دیا کرو۔ ایسا نہو کہ
وہ کوئی کپڑا پھاڑ لائے اور کہے میرے ہاں پھٹا ہی گیا تھا۔ برس دن میں دو چار بار کپڑوں کو
دُھوپ بھی دے لیا کرو اور جسمیں پشمینہ اور ریشمی کپڑے کا
اور بھی زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔ جب جاڑا آنے کو ہو تو
جڑاول نکال کر دیکھو کہ کون کونسا کپڑا اچھا پرانا ہے اور
کون کونسا پہننے اوڑھنے کے قابل ہے؟ جو کپڑا ایسا دیکھو
کہ نئی رُوئی ڈلوانے سے یا اُدھڑوا کر رنگوانے سے یا گوٹ
سنجاف۔ استر۔ ابرہ بدلنے سے خاصا ہو جائیگا اُس کو
دُرست کرا لو۔ اور جو کہیں سے نہ گیا ہو اُسے ویسا ہی رہنے
دو۔ اور جو زیادہ پھٹا پرانا ہو اُسے کسی ماماں اصیل نوکر چاکر
کے دینے کو الگ نکال رکھو۔ اور جس قدر نیا کپڑا بنوانیکی
ضرورت دیکھو اُس کو ایک فرد پر لکھ لو تاکہ بار بار بازار سے

سلہ خاص کر۔

منگانا نہ پڑے - جو پرانی روئی نکلے اُس کے دولڑے یا شطرنجیاں بنوالیں یا نئی روئی سے بدلوالیا اور نئی روئی کی جتنی ضرورت ہوئی مول منگالی - کمہار ہی سے پانچ چار انگیٹھیاں منگالیں - ماماں پر ہمیشہ تاکید رکھی کہ جس قدر باورچیخانہ میں لکڑیاں جلائی جائیں اُن کے کوئیلے روز بجھالیا کرے اور باورچیخانہ پر جو چھتی ہے اُسمیں ڈال دیا کرے - اگر ایسا ہوتا رہے گا تو جاڑہ میں انگیٹھیوں کے لیے بازار سے کوئیلے مول منگانے نہیں پڑنے کے - اسیطرح گرمیونکی آمد میں مکان پر سفیدی کرانی - چھتوں میں پنکھے لگوانے چمن کی درستی کرانی - پانی کے مٹکے بدلنے - گرمی کے کپڑے کی فکر کرنی اور برسات سے پہلے مکان کی مرمت کرانی - کچّی چھتوں پر مٹی ڈلوانی - پکّی چھتوں کی درزبندی کرانی - بدررو کھلوانی - پرنالے صاف کرانے - یہ سب باتیں یادرکھنے کی ہیں - مکان جہاں تک ہو اُجلا اور صاف رہے - چلمچی کا پانی دونو وقت پھکوادیا جاے - وضو کے لوٹے نمازکی چوکی پر سے نہ جانے پائیں - مکان کا

فرش مَیلا ہوجایا کرے تو فوراً بدلوا دینا چاہیئے - روز
صبح اُٹھ کر ماماں سے اندر کے فرش پر اور حلال خوری سے
سارے گھر میں اپنے سامنے جھاڑو دِلوایا کرو - تخت - چوکی
پیڑہا - گھڑونچی - پلنگ کے پائے - پٹّی - سیروا - جو چیز
ٹوٹ گئی تُرنت بھیج کر دُرست کرا منگائی - برسات کے سوا
اور سب دنوں میں آٹھویں دسویں پلنگوں کی ادوائنیں[۱]
کھچوا دیں - ماماں پر تاکید رکھو کہ چولھوں کی راکھ روز نکال کر
ایک جگہ اکٹّھی کر دیا کرے اور حلال خوری سے کہدو کہ
ہمیشہ ٹوکرے میں بھر کر کوڑے کے ساتھ اُٹھالیجایا کرے
چھالیا جتنی روز اُٹھتی ہے رات کو بیٹھکر کچھ آپ کتر لی
کچھ انّا سے کتروالی - یہ نہ ہو کہ وقت پر چھالیا کترنی پڑے -
بعضی دفعہ پچاس پچاس گلوریوں کی مانگ باہر سے آجاتی ہے
اُس وقت اگر چھالیا کتری ہوئی نہیں ہوتی تو بڑی دِقّت
پڑتی ہے - پاندان کو روز صبح اُٹھتے ہی ماماں سے صاف
کرانا چاہیئے - بعضی پھوہڑیں پاندان کو ایسا رکھتی ہیں کہ

[۱] پائنتیاں -

اُس کے دیکھنے سے گھِن[1] آتی ہے۔ باغ میں سے جو روز ڈالی آتی ہے اُس میں سے تھوڑی سی کنبے میں اور کچھ ہمسائی کے ہاں بھیجدیا کرو۔ اور گاؤں گوین سے آم۔ بُھٹّے۔ دُودھ۔ رَس۔ جو کچھ آیا کرے اُس کو بھی اِسی طرح بانٹ دیا کرو۔ جو اِس میں سے کچھ بچ رہا تو جتنی ضرورت ہوئی اُتنا گھر کے خرچ کو رکھ لیا اور باقی نوکروں کو دے دلا دیا۔ اپنے ہاں جو کوئی مہمان آئے اُس کی جہاں تک ہوسکے خاطرداری کرنی چاہیئے۔ اُس کو کھانے۔ پینے سونے۔ بیٹھنے۔ زردہ۔ پان۔ کسیطرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ جس کے کوئی لڑکا بالا ساتھ ہوا اُس کو کبھی گود میں لے لیا۔ کبھی بازار سے کچھ سودا منگا دیا۔ کھانے کیلئے وقت بیوقت پُوچھتی رہیں۔ جب کوئی نئی چیز پکا کرے تو تھوڑی بہت ہمسائی کے ہاں بھی ضرور بھیجدیا کرو۔ فقیر فقرا جو دروازہ پر مانگنے آتے ہیں اُنہیں کبھی خالی نہ جانے دیا کرو۔ باہر کی عورتیں جو روز کی آنے والیاں ہیں۔ اُنکے

---

[1] نفرت۔

سو! جب کوئی نئی عورت گھر میں آیا کرے اُس سے ذرا ہشیار رہا کرو۔ بے تکلف بات چیت کرنے نہ بیٹھ جایا کرو ہر کسی سے جھٹ پٹ گھل مِل جانا عیب میں داخل ہے۔ اسیطرح حق ناحق ایک ایک سے کانا پھوسی کرنی بھی اچھی نہیں۔ اس میں اوروں کو طرح طرح کے شک ہوا کرتے ہیں۔ ہاں جو کوئی ایسی ہی بات چھپا نیکے قابل ہوئی تو مضائقہ نہیں۔ روز فرصت نہ ملے تو دوسرے تیسرے دن ضرور سر میں آنولے یا کھلی ڈال کر نہانا چاہیئے۔ کپڑے جہاں تک ہوں اُجلے رکھنے چاہئیں۔ غرض آٹھ سات گھنٹے جو سونے کے ہیں اُن کے سوا ایک ساعت ایک گھڑی بیکار نہ بیٹھو۔ اور ایک ایک لمحہ ایک ایک پل کو جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھو۔ بٹیا! تم اپنے جی میں کہتی تو ہوگی کہ اماں نے مجھے کس توالُّے میں ڈال دیا۔ ایک ہی بار پہاڑ کا پہاڑ میرے سر پر رکھ دیا۔ نہ واری! ایسا خیال دل میں نہ لانا۔ کام کرنے کی قدر تم کو جب معلوم ہوگی جب زمانہ کی

لہ مصیبت۔

اُونچ نیچ سے خبردار ہوگی۔ سنو! آدمی کو چاہیئے کہ
اوّل اپنے جی میں یہ سوچے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے کس کام
کے لیے بنایا ہے؟ آخرت میں کون کونسی باتیں میرے
کام آئیں گی؟ اور دُنیا میں میری عزت آبرو کیونکر بنی
رہے گی؟ اور یہ جو بعضے آدمی کہتے ہیں کہ جسطرح ہو زندگی
عیش اور آرام کے ساتھ بسر کیجے۔ سو اول تو یہ بُرا خیال
ہی خیال ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ راحت کے
ڈھونڈنے والے ایسی چیز ڈھونڈتے ہیں جو دُنیا میں
پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اور جو یہاں تھوڑی بہت آسائش
ہے بھی تو کچھ مال و دولت پر یا جاہ و منصب پر یا ہنسنے
بولنے پر یا اچھا کھانے اچھا پہننے پر موقوف نہیں۔ آدمی
کیسا ہی محنت اور مشقت کا کام کرے جہاں چند روز میں
اُسکی عادت پڑی پھر اُس کی برابر کوئی کام آسان نہیں
معلوم ہوتا۔ اور اُس کو محنت کا ایسا مزا پڑجاتا ہے کہ
ایک دم بھر نکما بیٹھتا ہے تو اُس کا جی گھبرانے لگتا ہے۔
پسنہاریاں جو برابر برابر بیٹھ کر چکیاں پیستی ہیں۔ اور

پنھیاریاں جو پنگھٹ سے دو دو مٹکے سر پر رکھ کر لاتی ہیں
اور چوڑی والیاں جو دن بھر بیٹھی دیدہ ریزی کرتی ہیں
اور گھوسنیں جو دن بھر اُپلے تھاپتی ہیں۔ اور کسانوں کی
عورتیں جو جیٹھ بیساکھ کی گرمی میں چار چار پہر ہَل جوتنے اور
اناج گاہنے میں کاٹ دیتی ہیں۔ اگر اُن کے دل کو دیکھو
تو بڑی بڑی رانیوں اور بیگموں سے بھی زیادہ خوش و خُرّم
پاؤ۔ تمہارے ابّا ذکر کرتے تھے کہ ایک لڑکا چودہ پندرہ
برس کی عمر کا کسی قصور میں دس برس کو قید ہو گیا۔ جب
قید بھگت چُکا تو اُس کے چھوڑنے کے لیے حاکم کے
سامنے لائے۔ اُس نے کہا۔ اگر سرکار میری خداوندی کرے
تو پھر مجھے جیل خانہ ہی میں بھیج دے۔ جس طرح پہلے مجھ کو
جیلخانہ میں جانے سے ڈر لگتا تھا اب وہاں سے نکلنا
وَبال معلوم ہوتا ہے اور اگر سرکار نہ بھیجے گی تو قید ہونے
کے لیے پھر چوری کروں گا۔ حاکم نے اُسے نوکر رکھ کر
جیلخانہ میں بھیج دیا۔ پھر ساری عمر اُس نے وہیں کاٹ دی
اسی طرح وہ کہتے تھے کہ جب میں پنجاب کو گیا۔ اُن دنوں

میں گرمی بہت سخت پڑتی تھی - ایک دن چلتے چلتے راہ ہی میں
دوپہر ہوگئی - ایک درخت کے سایہ میں ٹھیر گیا - تھوڑی
سی دیر میں اُدھر سے ایک پینس آئی - آٹھ کہار - ایک
بہشتی - دو خدمتگار ساتھ - پینس کے دونو طرف خس کے
پردے چھٹے ہوئے - بہشتی برابر پانی چھڑکتا چلا آتا ہے
سامنے کچھ اور درخت سایہ دار تھے وہاں آن کر ٹھیری - برابر
کوآں اور حلوائی کی دوکان تھی - کہاروں نے پینس کو تو
وہاں پٹکا[۵۱] اور آپ کوئیں پر جاکر مونھ ہاتھ دہویا اور حلوائی
کی دوکان سے پوریاں لیکر دھوپ ہی میں کھانے بیٹھ گئے -
اور کھاپی کر ڈفلی بجانی اور گانا شروع کیا - اِدھر جو اُن کو
دیکھتا ہوں تو پینس میں پڑے ہائے وائے کے نعرے مار
رہے ہیں اور بار بار بہشتی سے پانی چھڑکواتے ہیں - میں نے
اُن کے خدمتگاروں سے پوچھا کہ یہ کیا بیمار ہیں؟ اُنھوں نے
کہا - صاحب! بیمار تو کچھ نہیں گرمی کے مارے گھبرا رہے ہیں
میں نے اپنے دل میں کہا - سُبحان اللہ! کیا خدا کی شان ہے

۵۱ - جلدی سے زمین پر رکھ دیا -

پینس نالکی

یہ قیامت کی دھوپ اور یہ تپتی زمین اور ننگے پاؤں اور
پینس کا کندھے پر لانا اور خدا جانے آٹھ کوس سے لائے ہیں
یا دس کوس سے۔ اس پر کہاروں کا تو یہ حال ہے کہ مزے
سے بیٹھے ڈفلی بجا رہے ہیں اور گا رہے ہیں۔ اُن کی صورت
پر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کہیں سے چل کر آئے ہیں۔ اور
ایک یہ شخص ہے کہ پینس میں بیٹھا ہوا ہے۔ ہاتھ نہیں ہلاتا
پاؤں نہیں ہلاتا۔ اندر دھوپ کا کہیں نام نہیں۔ خس کے
پردے لگے ہوئے ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سوندھی
سوندھی خوشبو آرہی ہے۔ اِس پر یہ حال ہے کہ گرمی کے
مارے مرا جاتا ہے۔ اُس دن سے مجھے یقین ہو گیا کہ امیر
سے لیکر غریب تک اور بادشاہ سے لیکر فقیر تک سب کا
حال خوشی و رنج میں یکساں ہے بلکہ محنتی مزدوروں کا دل
امیروں سے بھی زیادہ خوش رہتا ہے۔ اور ہاں بہت
دور کیوں جاتی ہو؟ یہ توکل کی بات ہے کہ تمہارے چچا جان
جب کچہری میں سرشتہ دار تھے تو اُن کو کچہری کے کام کی
ایسی عادت ہو گئی تھی کہ چھٹی والے دن سدا اُن کا جی

اُچاٹ رہتا۔ ایک دن میں نے کہا۔ بھیّا! یہ کیا بات ہے
کہ چُھٹّی کے دن تم کچھ سُست رہا کرتے ہو؟
اُنہوں نے کہا۔ صاحب! میں نہیں جانتا کام میں تو
میرا جی خوش رہتا ہے اور جس دِن کچھ کام نہیں ہوتا
اُس دن شام پکڑنی دشوار ہو جاتی ہے۔ غرض بنّو! یہ
سمجھ لو کہ چَین اور آرام تو ایک ایسی چیز ہے کہ آدمی جو
کام اختیار کرے گا اُسی میں اُس کا جی خوش رہنے لگے گا۔
اب رہی یہ بات کہ تم کو کونسا کام اختیار کرنا چاہیئے؟
سو بیوی! آخرت میں تو نیکی کے سوا اور کچھ کام نہیں آنیکا
اور جس سے دنیا میں عزت و آبرو بنی رہے۔ ماں باپ
اور ساس سُسرے خوش رہیں۔ خاوند تابعدار رہے
نند بھاوج۔ دیورانی جٹھانی کی زبان بند رہے۔ کنبے میں
واہ واہ ہو۔ ہمسائے دُعائیں دیں۔ نوکر چاکر خیر منائیں۔ وہ
انہیں باتوں میں ہے۔ پڑھنا لکھنا۔ سینا پرونا۔ سارا
گھر کا کام کرنا۔ ہر ایک کے ساتھ جیسا چاہیئے ویسا برتاؤ
برتنا۔ یہ اِسی وقت تمہیں مشکل معلوم ہوتا ہے۔ جہاں

مہینے دو مہینے تم اِن دھندوں میں رہیں پھر تم کو خالی بیٹھنا خود دُوبھر ہو جائیگا۔ اگر تمہارے پاس کچھ کام نہ ہوگا اَوروں کے کام بٹواتی پھرا کروگی۔ اور بٹیا! بڑا فائدہ اِس میں یہ ہے کہ کامی آدمی ہزاروں بَلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جس میں جوان عورت کے لیے تو نکمّا بیٹھنا ایسا ہے جیسا زہر۔ جب تک بہو بیٹی کے سر پر ماں باپ یا ساس سُسرے موجود ہیں جب تک تو کچھ ایسا خوف نہیں گھر کے کاروبار کرے یا ہاتھ پر ہاتھ دھرے[1] بیٹھی رہے لیکن جب خود مختار ہوئی اور کوئی بڑا بوڑھا سر پر نہ رہا۔ اب اگر بچپن سے کام کی عادت پڑی ہوئی ہے تو تو خیر ہے اور نہیں تو وہی مَثَل ہوگی "میاں میرا گھر نہیں مجھے کسیکا ڈر نہیں" اور کچھ نہیں تو خالی بیٹھی کسیکے گِلے شکوے ہی کرے گی۔ کسیکو نام ہی دھرے گی۔ آگے بچّے ننگے کھلے پھرتے ہیں تو کچھ پروا نہیں۔ نوکریں گھر لوٹے لیے جاتی ہیں تو کچھ خبر نہیں۔ چھت گیری پھٹ گئی تو بلا سے۔

---

[1] نکمّی۔

چاندنی میلی ہوگئی تو پاپوش سے - اور یہ قاعدہ ہے کہ
جس گھر کی بیوی کو کام دھندے کا کچھ خیال نہیں ہوتا
اُس کے ہزار نوکریں ہوا کریں وہ اُس سے زیادہ کاہل
وجود ہو جاتی ہیں - اور جو دُور پار کوئی بُری صحبت مِل گئی
تو رفتہ رفتہ خدا جانے دشمنوں کی نوبت کہاں پہنچے؟ پھر
باپ دادا اور ساس سُسروں کی عزت کا خدا ہی حافظ
ہے - بیٹیا! عورت کو خدا نے اُلٹی سمجھ دی ہے اِس کا
علاج یہی ہے کہ دن بھر گھر کے دھندوں میں پھنسی رہے
اِتنی فرصت ہی نہ مِلے کہ اپنے دِل سے مشورہ لے - اور
جو عورت نکمّی بھی ہو اور صحبت بھی اچھی نہ ہو اُس کا تو کچھ
ٹھکانا ہی نہیں - اور جو اپنے کام دھندوں میں لگی
رہیگی اُس کو کیسی ہی بُری صحبت ہو کبھی نقصان نہیں
کرنے کی - اِس کے سِوا یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ چلنے پھرنے
محنت کرنے سے کھایا پیا انگ لگتا ہے - ڈیل قابو میں
رہتا ہے - بیماری کم ہوتی ہے - رات کو نیند خوب آتی ہے
لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ نرم نرم

اطلس اور حریر کے بچھونوں میں سونا۔ اُس نے کہا۔
یہ بات میرے اختیار کی نہیں ہے۔ اگر میسر نہ ہوں تو
کیا کروں؟ لقمان نے کہا۔ اگر دن بھر محنت کر کے راتکو
زمین میں یا کھرّی چارپائی پر بھی سوؤ گے تو ویسا ہی
آرام پاؤ گے جیسا اطلس اور حریر کے بچھونوں میں پاتے۔
غرض کہاں تک بیان کروں عشا کی نماز پڑھ کر
اُنھوں نے مجھے سمجھانا شروع کیا تھا آدھی رات
گئے تک یہی باتیں کرتی رہیں۔ انھوں نے جو بات کہی
کچھ ایسے طور پر کہی کہ تُرت[۱] میرے جی نے قبول کر لی۔
آخر اُسیوقت توشہ خانہ اور کوٹھیار اور تمام صندوقوں
اور خوانچوں کی کنجیاں مجھے سونپ دیں۔ اور فرمایا۔ لو بیٹا
آج جو کچھ میرا حق تھا وہ پورا کر دیا۔ اگر میرے سر میں بوتا
ہوتا تو تم کو روز تاکید کرتی رہتی۔ ہر بات پر ٹوکتی
رہتی۔ جہاں تم سے بھول چوک ہو جاتی وہاں تم کو
خبردار کر دیا کرتی۔ اب نہ میرا دل ٹھکانے نہ میرے

[۱] فوراً۔

حواس درست۔ اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ اگر
ماں کا کہنا کروگی دل سے دعا نکلے گی۔ تمہاری عاقبت
سنورے گی۔ زمانہ تعریف کرے گا۔ سینکڑوں آفتوں
سے محفوظ رہوگی۔ باپ کی خفگی اٹھانے سے بچوگی۔ اور
ایسا نہ کیا تو آج نہیں کل پچتاؤگی۔ رہی میری آزردگی
سو وہ کے دن کی ہے؟ میں پہلے ہی چلنے کو تیار بیٹھی ہوں
یہ بیماری میری جان کے ساتھ جائے گی۔

اماں جان کو عرق النسا کی بیماری تھی۔ پہلے تو اُنکو
مہینے میں ایک آدھ بار اس کا دورہ ہوا کرتا تھا۔ ایک
دو دن کے بعد آرام ہو جاتا تھا۔ پر اب برس برس
دن سے یہ دُکھ اُن کی جان کو لگ گیا تھا۔ ہروقت درد
رہتا تھا۔ چلنے پھرنے سے عاجز ہوگئی تھیں۔

غرض میں یہ باتیں سُن کر رونے لگی۔ اُن کا بھی جی
بھر آیا پر دل کو تھامے رکھا۔ اور مجھے گلے لگا کر پیار کیا
اور فرمایا۔ احمق بیوی! رونے کی کیا بات ہے؟ جب
بیماری بڑھ جاتی ہے اور روز کی تکلیفیں اُٹھاتے اُٹھاتے

جی چھوٹ جاتا ہے تو بیمار کو موت ہی نظر آتی ہے اور
خدا کے کارخانہ میں کس کو دخل ہے؟ خدا چاہے تو ابھی
دم بھر میں اچھا کردے۔ جو مردہ کو زندہ کرسکتا ہے
اس کو میری بیماری کھونی کیا مشکل ہے۔ یہ کہہ کر مجھے
پھر گلے لگایا اور فرمایا۔ لو اب اپنی پلنگڑی پر جاکر سو رہو
مجھے بھی نیند آرہی ہے۔ میں اُٹھی اور اپنی چارپائی
پر آنکے سو رہی۔ اگلے دن سے میں اُن کے کہنے
کے موافق سارا گھر کا کام کرنے لگی۔ جہاں پڑھنے لکھنے
سے فراغت پائی اور میں اپنے کام دھندے میں لگی۔
دو تین مہینے تو یہ حال رہا کہ رات کو جس وقت پلنگ پر
جاکر لیٹتی تو یہ معلوم ہوتا کہ بدن میں جان نہیں۔ بوٹی بوٹی
جدی دکھتی تھی۔ ڈیل جدا گرا پڑتا تھا۔ پھرتے پھرتے
تھک کر چور ہوجاتی تھی اور پڑتے ہی ایسی بے خبر
سوتی تھی کہ صبح کی نماز کو اتا پانی کے چھینٹے دیتی تھیں
تو بھی میری آنکھ نہیں کھلتی تھی۔ مگر ایک خدا کا شکر ہے
کہ دن بھر اس قدر تو چکر رہتا تھا اس پر بھی کبھی

میرا سر تک نہیں دُکھا۔ صبح کو جہاں سوتے سے اُٹھی اور طبیعت بحال ہو گئی۔ دو تین مہینے کے بعد پھر جو مجھے کام دھندے کا مزا پڑا میں نہیں جانتی کہ مجھ میں کہاں کی طاقت آ گئی تھی۔ ایک دَم بھر میرا پاؤں زمین پر نہ ٹکتا تھا۔ اِس میں ایک سبق ابّا جان سے بھی پڑھنے لگی تھی۔ تین چار گھنٹے جو اُن سے اور اُستانی جی سے پڑھنے کے تھے بس وہی تو سمجھ لو۔ اُن کے سوا پھر میں نہ جانتی تھی کہ آرام سے بیٹھنا کِس کو کہتے ہیں اور آج تک وہی عادت چلی جاتی ہے تم بھی دیکھتی ہو کہ میں کِسی وقت نکمّی نہیں بیٹھتی اور نہ مجھے نِکمّا آدمی بھاتا ہے۔

پانچویں مجلس

زُبیدہ خاتون کا باقی بیان

جب مجھے تیرھواں سال لگا اور فارسی میں گلستاں بوستاں ۔ اخلاقِ محسنی ۔ عیارِ دانش اور عربی صرف نحو کے ضروری ضروری رسالے پڑھ چکی اور حساب میں کسورِ عام اور کسورِ اعشاریہ تک سیکھ چکی اور تحریرِ اُقلیدس کے دو مقالے دیکھ لئے اور ہندوستان کا جغرافیہ اور تاریخ بھی پڑھ چکی اور نسخ و نستعلیق کی تختیاں اور کچھ کچھ قطعے بھی صاف کر چکی ۔ اب ابّا جان نے دو نو سبق مجھے آپ پڑھانے شروع کیے ۔ صبح کو کیمیائے سعادت ہوتی تھی اور شام کو عربی کلیلہ دمنہ ۔ اور امّاں جان کا یہ حال تھا کہ وہ

دِن پر دِن گھلی جاتی تھیں۔ ضعف کے مارے یہ نوبت
ہو گئی تھی کہ دو آدمی بغلوں میں ہاتھ دیکر بٹھا دیتے
تھے تو بیٹھ جاتی تھیں اور لِٹا دیتے تھے تو لیٹ جاتی
تھیں۔ مجھے جس وقت گھر کے کاروبار سے فرصت
ہوتی اُن کے پاس جا بیٹھتی۔ کبھی پنکھا جھلنے لگی۔
کبھی ہاتھ پاؤں دابنے لگی۔ کبھی تلوے سہلانے لگی۔
اور اُن کو بھی میرے ہاتھ کی کچھ ایسی کل پڑ گئی تھی کہ
میرے ہوتے نوکروں سے کبھی کام نہ لیتی تھیں۔
چند روز بعد میری منگنی بھی ہو گئی۔ اماں جان کو
اپنے جینے کی بالکل آس نہ تھی۔ ایک دن مجھ سے
فرمانے لگیں کہ بیٹیا تمہاری منگنی تو ہو ہی چکی ہے
اب خدا کرے گا کوئی دِن میں بیاہ بھی ہو جائیگا
پر دیکھیے یہ خوشی ہم کو بھی دیکھنی نصیب ہوتی
ہے یا نہیں؟ اوّل تو زندگی کا کِسی کی بھی
اعتبار نہیں۔ سانس ہے آیا آیا۔ نہ آیا نہ آیا
اور جس میں مجھ سا بیمار تو خدا ہی ہو جو اُٹھے۔

خیر دُنیا سے تو ایک دن جانا ہی تھا پر تمہاری
تنہائی دیکھ کر کلیجہ مونھ کو آتا ہے۔ یہ حسرت قبر میں
میرے ساتھ جائے گی۔ مگر خدا تعالیٰ کا شُکر
میرے مونھ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ میری ہمیشہ
یہ دُعا تھی کہ الٰہی اگر اولاد دے تو نیکبخت دیجیو۔
نہیں تو ایسے صاحبِ اولاد ہونے سے بے اولادا
رہنا اچھا۔ اُس بے نیاز نے میری دُعا قبول کی
تم نے جیسا اپنی ماں کو خوش رکھا خدا تم کو
دونو جہان میں خوش رکھے۔ اگرچہ میں یہ خوب
جانتی ہوں کہ تم کو اب کسی کی نصیحت کی حاجت
نہیں مگر تم نے ابھی زمانہ کی اُونچ نیچ نہیں
دیکھی۔ علم پڑھا ہے پر ابھی گُنا نہیں سنو واری!
علم بیشک بڑی دَولت ہے۔ یہ دولت صاحب
نصیبوں ہی کو ملتی ہے۔ تمہارے باپ کا بڑا
احسان تم پر یہ ہے کہ تم کو پڑھا لکھا کر قابل کیا
میں بڑا بول تو نہیں بولتی پر خدا کے فضل سے

آج تم اپنے سارے کنبے میں چراغ ہو۔ لیکن
مجھ سے جو پوچھو تو واری! علم کا گھر بہت دُور
ہے۔ دیکھو کبھی اپنے دل میں یہ سمجھو کہ مجھے
کچھ آگیا ہے۔ یہ جو اگلے لوگ کہہ گئے ہیں کہ
"نیم طبیب خطرۂ جان اور نیم مُلّا خطرۂ ایمان"
یہ سچ بات ہے۔ تھوڑے علم والا بعضی بات
ایسی کر اُٹھتا ہے جو اَن پڑھ بھی نہ کرے۔
مجھے اِس بات کا بڑا خیال ہے کہ تم نے اپنے
باپ کے گھر میں آنکھ کھول کر پڑھنے لکھنے کے
سوا کچھ نہیں دیکھا۔ ہمیشہ بسم اللہ کے گنبد میں
رہی ہو۔ تم کیا جانو کہ لوگ باپ دادا کی
رسموں پر جان دیتے ہیں۔ جو روپیہ پیسا بڑوں نے
جان کھپا کر پیدا کیا ہے اور اِس لیے رکھ مرے
ہیں کہ ہماری اولاد کے اڑے وقتوں میں کام
آئے اُس کو بیاہ شادیوں میں مفت برباد
کر دیتے ہیں۔ اور پھر آپ چند روز میں روٹی

تک کو محتاج ہو جاتے ہیں - اسی طرح جب
کوئی مرجاتا ہے تو سیکڑوں روپیہ اس کے
مرنے میں لگا دیتے ہیں - آدمی کا آدمی گیا
روپیہ کا روپیہ برباد ہوا - آگے چل کر تیج
تہوار میں سیکڑوں خرچ بے فائدہ بڑھا
رکھے ہیں - غرض ہر طرح سے خدا کی نعمت کو
خاک میں ملاتے ہیں - مجھے یہ ڈر ہے کہ جسوقت
تم سسرال میں گئیں اور تم نے وہاں جا کر
ایک نئی دنیا دیکھی اور صبح سے شام تک
بیسیوں باتیں تمہاری نظر سے ایسی گذریں کہ
نہ کبھی تم نے اپنے باپ کے گھر میں دیکھیں نہ
کتابوں میں کہیں اُن کا ذکر - نہ عقل کے نزدیک
اُنکی کچھ حقیقت - اس کے سوا ہر طرح سے
مال کا نقصان - اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟
اگر دل ہی دل میں گھٹیں اور زبان سے کچھ
نہ کہا تو دُور پار دشمنوں کا خدا جانے کیا حال ہو؟

اور جو تم سے نہ رہا گیا اور کسی بات میں دخل دے بیٹھیں اور لگیں اپنی عِلمیّت جتانے اُس وقت تمہارا کہنا تو کوئی کاہیکو مانے گا ہاں بیٹھے بٹھائے ایک فساد کھڑا ہو جائے گا۔ اِدھر تم اپنے علم پر بھولی ہوئی ہوگی۔ اُدھر اُن کو اپنے بزرگوں کی رسموں کا پاس ہوگا ناحق اچھے دِل بُرے ہو جائیں گے۔ اور پھر کر تمہیں کو سب احمق بنائیں گے۔ بیٹیا! یہ بات یاد رکھو کہ دُنیا میں یہ دستور قدیم سے چلا آتا ہے کہ جہاں کہیں کوئی بُری رسم پڑ جاتی ہے پھر وہ مشکل سے جایا کرتی ہے۔ لوگوں کو اِتنا دِین کا پاس نہیں ہوتا جتنا باپ دادا کی رسموں کا ہوتا ہے۔ اور جو شخص رسموں کو بُرا کہتا ہے یا اُن کو مٹانا چاہتا ہے وہی اپنی قوم میں نکّو ٹھیرا کرتا ہے۔ رسمیں تو سبھی بُری ہوتی ہیں پر بعض حد سے زیادہ بُری ہوتی ہیں

لیکن لوگ اُن کو بھی اپنا دین ایمان جاننے لگتے ہیں اور جو اُن کی رسموں کو نام دھرتا ہے اُس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ ایک زمانہ میں عرب کا یہ دستور تھا کہ جس کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی وہ اُسے جیتی کو زمین میں گاڑ دیتا تھا۔ بس اِس سے زیادہ اور کیا بُری رسم ہوگی؟ لیکن وہ اُس کو نہایت غیرت اور حمیّت کی بات سمجھتے تھے۔ اور بیٹیوں کے مار ڈالنے کا دستور تو ہندوستان کے راجپوتوں میں اب تک چلا جاتا ہے۔ پر اب سرکار کے خوف سے بہت کم ایسا کرتے ہیں۔ اور کرتے بھی ہیں تو چوری چھپوں کرتے ہیں۔ اسیطرح بیوہ عورتوں کے نکاح کی اجازت خدا رسولؐ نے تو دے رکھی ہے مگر یہاں کے مسلمانوں میں اِس کا ایسا عیب ہو گیا ہے کہ اُس کو بدکاری سے بھی بُرا جانتے ہیں۔ اگر اُن سے یہ کہو کہ اس کا حکم

بیوہ

قرآن اور حدیث میں آیا ہے۔ آگے چل کر ہم
جن کے نام لیوا ہیں اُن کی بہو بیٹیوں نے دو دو
تین تین نکاح کیے ہیں تو اِس کا کچھ جواب
نہیں دیتے۔ لیکن یہ جو چاہیئے کہ اپنی کرنی
سے باز آئیں کیا ذکر ہے؟ غرض رسموں کی
محبت کا دِل سے نِکلنا اور گوشت کا ناخن سے
چُھوٹنا برابر ہے۔ آدمی کو اپنے گھر کا تو ہر
طرح سے اختیار ہے جو چاہے کرے جو چاہے
نہ کرے پر اَوروں سے یہ عادتیں چُھڑوانی
بہت مشکل ہیں۔ اِس کے لیے نہایت عقلمند
اور بُردبار آدمی چاہیئے۔ دیکھو اگر اِس کام
میں قدم ڈالو تو ذرا سوچ سمجھ کر ڈالنا۔ ایسا
نہ ہو کہ بے سمجھے بُوجھے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ
بیٹھو اور اُلٹے لینے کے دینے پڑ جائیں۔ جو
بات کرو ایسی خوبصورتی سے کرو کہ سانپ کا
سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے۔

اِس کے سِوا سُسرال میں ساس نند اور
دیورانی جٹھانی کے ساتھ نِباہ کرنا سب سے
بھاری منزل ہے ۔ یہ بات مشہور ہے کہ
ساس بہو اور نند بھاوج اور دیورانی جٹھانی
کی کبھی نہیں بنتی ۔ واری! تم کو بھی ایک دِن
یہ معاملہ پیش آنا ہے ۔ دیکھو ساس کی تابعداری
اور نند کی دِلجوئی میں کمی نکرنا ۔ زمانہ کا دستور
ہے کہ تالی دونو ہاتھوں سے بجا کرتی ہے ۔
سو اوّل تو اُس گھرانے کے آدمی کیا مرد کیا
عورت سب اچھے ہیں ۔ سَو بِسوے تو اُن سے
کوئی ایسی بات ہونے کی نہیں ۔ اور بندہ بشر
ہے جو کسی سے ایسی بات ہو بھی جائے تو تمکو
تحمل کرنا چاہیئے ۔ اِس بات سے تمہاری جگہ
شوہر کے دِل میں بھی ہو گی اور ساس نندیں
بھی آخر کو تمہارا دم بھرنے لگیں گی ۔ اور اگر
اِنصاف سے دیکھو تو اُن کی رنجش کچھ بیجا نہیں

ہوتی۔ سچ کہنا تمہاری ماں کو جتنا لگاؤ تمہارے
ساتھ ہے اگر اس سے آدھا بھی کسی غیر کے
بچّے کے ساتھ ہوجائے تو تم کو کیسا بُرا معلوم ہو
بیٹیا! یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی شے میں
آدمی کا کوئی نیا شریک کھڑا ہوجاتا ہے
تو اُس کو حد سے زیادہ ناگوار گذرتا ہے۔
پہلے ایک شخص کو ماں اور بہن کے سوا کسی
سے کچھ علاقہ تک نہ تھا۔ اب اُن کی ایک
ایسی شریک پیدا ہوگئی جس کا حصہ اُن سے بھی
کچھ زیادہ ہے۔ مگر ساس نندیں بھی اگر
غور کریں تو اُن کا ناخوش ہونا کچھ راہ سر
نہیں۔ آدمی کو دُنیا میں ہزاروں چیزوں سے
تعلّق ہوتا ہے۔ مگر ہر چیز کے ساتھ ایک
نئی طرح کا لگاؤ ہوتا ہے۔ جو ماں باپ کے
ساتھ علاقہ ہوتا ہے وہ اولاد کے ساتھ
نہیں ہوتا۔ جو اولاد کے ساتھ ہوتا ہے وہ

ماں باپ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بھائی بہنوں میں کچھ اور ہی طرح کی محبت ہوتی ہے میاں بیوی میں کچھ اور ہی بات ہوتی ہے۔ اسمیں ایک کو دوسرے پر رشک کرنا بیفائدہ ہے اس کی مثال یہ ہے کہ آدمی جسطرح اچّھا کھانا کھا کر خوش ہوتا ہے اسیطرح خوشبو سُونگھ کر اور اچّھی آواز سُن کر اور اچّھی صُورت دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ مگر اچّھا کھانا کھانے سے جو مزا آتا ہے وہ زبان کو آتا ہے۔ خوشبو سُونگھنے سے دماغ مُعطّر ہوتا ہے۔ اچّھی آواز کانوں کو بھلی لگتی ہے اچّھی صورت آنکھوں کو اچّھی معلوم ہوتی ہے اب جو کوئی یوں کہنے لگے کہ صاحب! اِن کو کھانے کا کیا مزہ رہوگا یہ تو خوشبو پر جان دیتے ہیں؟ یا اِن کو اچّھی آواز سُننے کا شوق ہے یہ اچّھی صُورت کی قدر کیا جانیں؟ تو

اُس کو سب لوگ اور تو کیا کہینگے احمق ہی کہینگے
اِسیطرح ماں بہنوں کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ
ہمارا بیٹا یا ہمارا بھائی اگر بیوی کا مُرید بھی
ہو جائے گا تَو بھی ہماری محبت کہیں نہیں
گئی - جب ہمارا گوشت پوست - جان جگر
سب ایک ہے پھر بیوی کی محبت سے ہمارے
اُلفت کیوں جانے لگی ؟ بلکہ اُن کو تو یہ
چاہیئے کہ اگر میاں بیوی میں دُور پار رکچھ
اَن بَن ہو تو جس طرح ہو سکے اُن میں
مِلاپ کرائیں - اگر میاں کے دِل میں بیوی
کی جگہ نہ ہو تو طرح طرح سے میاں کے
دِل میں اُس کی جگہ کریں - اگر لڑکا بدمزاج
ہو تو سمجھا سمجھا کر اُس کے مزاج کو دھیما
کریں - غرض جہاں تک ہو سکے بَہو کا ساتھ
دیں - اور یہ سمجھیں کہ ایک بھلے مانس نے
جو اپنی جان اپنا جگر ہمارے حوالے کردیا.

کچھ لڑکے کے بھروسے پر نہیں کیا۔ بلکہ ہمارا چال چلن اور ہمارے برتاؤ دیکھکر کیا ہے۔ منگنی پیچھے کی ہے پہلے ایک ایک سے یہ پوچھ لیا ہے کہ اُن کے گھرانے کے مرد عورت کیسے ہیں؟ لڑکے کے ماں باپ بدمزاج تو نہیں ہیں؟ لڑکے کی بہنیں زبان دراز تو نہیں ہیں؟ پہلے جو اِن کے ہاں قوم کی بیٹیاں بیاہی آئی ہیں اُن کے ساتھ اِنھوں نے کیسے برتاؤ برتے ہیں؟ لڑکے کا بہت کیا پڑھنے لکھنے کا حال پوچھ لیا۔ اِس سے زیادہ اوّل تو کوئی پوچھتا نہیں۔ اور جو پوچھتے ہیں وہ ناحق پوچھتے ہیں۔ بہتیرے خوش مزاج اور نیکبخت لڑکے بیاہ ہوئے پر بدمزاج بنجاتے ہیں۔ بہتیرے نک چڑھے مونھ پھولے جن کے ماتھے پر سے کسی آن بل نہیں اُترتا

بیوی سے آکر سید ہے ہو جاتے ہیں۔ پھر ایسی بات کا پوچھنا کیا؟ بہرحال بیٹیا! تمکو اطاعت ہی کرنی چاہیئے۔ تمہارا صبر و تحمل کسیطرح اکارت نہیں جانیکا۔ اگر اس میں ساس نندیں راہ پر آگئیں تو فھو المراد۔ اور نہیں تو اس کا اجر خدا کے ہاں پاؤگی اب رہیں دیورانی جٹھانی۔ سو تمہیں اُن سے کام ہی نہیں پڑنے کا۔ تمہارے سسرے کے ہاں چار بیٹوں میں اللہ رکھے ایک ہی بیٹیا ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھو کہ دیورانی جٹھانیوں کے قصے سارے گھربار پر ہُوا کرتے ہیں۔ اِس کا علاج کچھ ایسا مشکل نہیں اُن کے خاوندوں کو چاہیئے کہ جو کچھ ماں باپ چھوڑ گئے ہیں اُس کو صلح سلوک کے ساتھ آپس میں بانٹ لیں۔ اور یہ خیال نہ کریں کہ بھائی بھائی ایک دوسرے سے

چھوٹ جائیں گے - ترکہ بانٹ لینے سے
کچھ دِلوں میں فرق نہیں آیا جاتا - جس بات
سے عمر بھر کا جھگڑا کٹے وہ اچھی یا روز
روز کی کِل کِل جھک جھک اچھی - بٹیا! وہ جو
کہتے ہیں کہ ساجھے کی ہنڈ یا چورا ہے میں
پھوٹتی ہے یہ بات سچ ہے - اِسیواسطے
اللہ تعالےٰ نے سب کے حصے بخرے قرآن
میں بتادیے ہیں اور عورت ذات کی تو
ساجھے میں کسی سے بنی ہے نہ بنے - رہا خاوند
سو اور کوئی خوش رہے یا نہ رہے اُسکا
خوش رکھنا سب سے مقدّم ہے - اگرایک
وقت اُس کی بات بُری بھی لگے تو خاموش
ہو رہنا - بات بات میں اُلجھنا - ناشکری کرنی
طعنے دینے - بےسبب تیوری چڑھانی رُوکھی
صورت بنانی - عورتوں کی عادت میں داخل
ہے - کہیں خدا کے لیے تم اِن باتوں کے

پاس نہ جانا۔ سنو! اپنوں کو خوش رکھنا کچھ بڑی بات نہیں۔ آدمی وہ ہے جو غیر کو اپنا کرلے۔ اور خاوند کے ساتھ تو ساری عمر کاٹنی ہے۔ اگر میاں بیوی کا دل ملا ہے تو جنگل میں ایک درخت کا سایہ سَو محلوں سے بہتر ہے۔ اور جو دُور پار ناموافقت ہے تو گھر دوزخ کا نمونہ ہے اور آبادی ویرانی سے بدتر ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ ہماری بادشاہزادی **ملکہ وکٹوریا** جو آج دُنیا کے چوتھے کھونٹ کی مالک ہیں اپنے میاں کی اِس قدر خاطر کرتی تھیں کہ کبھی اُن کے دِل پر مَیل تک نہ آنے دیتی تھیں۔ اور میاں کے ساتھ جو اُن کو محبت تھی یہ تو ایک زمانہ جانتا ہے۔ سُنا ہے کہ جب اُن کے میاں کا اِنتقال ہوا تو ملکہ معظمہ مُدّتوں اُن کے سوگ میں رہیں اور ایک

کتاب بھی اُنہوں نے ساری میاں ہی کے حال میں لکھی ہے - بیٹیا! خاوندوں کا بڑا درجہ ہے اِس بات کو پلّے[ل] باندھ لو - اور یہ جو عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر ایک بات پر اَڑ بیٹھتی ہیں اور ہر ایک معاملہ میں یہ چاہا کرتی ہیں کہ کچھ ہو مگر ہمارا کہنا ہو - یہ شیوہ بہت بُرا ہے - اِس میں گھر کے گھر بگڑ گئے ہیں - اِس خصلت سے پناہ مانگنی چاہیئے

خیر باتیں تو بہت سی ہیں مگر اِس وقت میرا دل اُڑا جاتا ہے - آج مجھے اپنے طور اچھے نظر نہیں آتے - خدا جانے میں تم سے کیونکر باتیں کر رہی ہوں - اب زیادہ میرے کہنے کی تم کو حاجت نہیں - تم کو جو چار حرف پڑھائے ہیں اسی لیے پڑھائے ہیں کہ جو کام کرو سوچ سمجھ کر کرو -

[ل] اچھی طرح یاد رکھو -

امّاں جان یہ باتیں تمام کرنے نہ پائی تھیں کہ ایکبارگی اُن کا سانس اُکھڑا ہوگیا۔

سیّد عبّاسؒ کہتا ہے کہ جب میری مخدومہ[1] کہتے کہتے یہاں تک پہنچیں اُن کا دل قابو سے جاتا رہا اور بے اختیار ہو کر رونے لگیں اور اِس قدر روئیں کہ روتے روتے ہچکی لگ گئی۔ پھر میری جرأت نہ پڑی کہ اُن سے کچھ اور حال پوچھوں۔

خلاصہ یہ کہ جب نانا جان اور نانی جان میری مخدومہ کو اِس طرح تربیت کر چکے اب یہ فکر ہوئی کہ اُنکی کہیں نسبت کیجے۔ مگر ایسی جگہ کیجے کہ لڑکا ذات اور صفات میں برگزیدہ ہو۔ اُس زمانہ میں میرے جدِّ امجد میر سیّد علیؒ مغفور اگرچہ علم و فضل میں کچھ ایسے مشہور نہ تھے مگر اولاد کے تربیت کرنیمیں

[1] والدہ۔

لوگ اُن کی نظیر دیا کرتے تھے۔ تمام عمر میں اُن کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی جسمیں تین بیٹے تو مر گئے۔ اور ایک میرے والد ماجد اور دوسری پُھپھی امّاں زندہ وسلامت رہیں۔ دادا جان نے ابّا جان کی تعلیم و تربیت میں تو خوب کوشش کی مگر پُھپھی امّاں کو ایک قرآن شریف تو یاد کرا دیا اِس کے سِوا کچھ اور پڑھنا لِکھنا اُن کو نہ آیا۔ بھید اِس میں یہ تھا کہ دادی جان کو پڑھنا لِکھنا بالکل نہ آتا تھا۔ پھر پُھپھی امّاں پڑھتیں تو کیونکر پڑھتیں؟ غرض ابّاجان کی لیاقت اور قابلیّت کی شہر میں دُھوم تھی۔ رفتہ رفتہ یہ ذکر خواجہ صاحب کے کان تک بھی پہنچا۔ وہ سنتے ہی بیتاب ہو گئے لیکن زبان سے کچھ نہ نِکال سکے۔ جو لوگ نانا صاحب کے مِزاجدان تھے اُنھوں نے دادا جان تک اِس بات کی نوبت پہنچا دی۔ ہمارے اور نانا جان

کے بزرگوں سے کچھ قرابت یا میل جول
پہلے سے نہ تھا۔ دُوسرے ضلع[۱] بھی غیر تھا
ہمارا مکان خاندوران خاں کی حویلی میں تھا
اور اُن کی اِملاک عاقلخاں کے کوچہ میں تھی
اِسی سبب سے دادا جان کو اب تک
اُن کا کچھ حال معلُوم نہ تھا۔ مگر اب لوگوں نے
جو جتایا تو اُن کو بھی خبر ہوئی۔ یہ اس بات کے
سُنتے ہی ایسے بیقرار ہوئے کہ اُسی وقت
اَبّا جان کو بُلایا اور اُن کے ہاتھ سے رُقعہ
لِکھوا کر خواجہ صاحب کے ہاں بِھجوا دیا۔ اُنہوں نے
رقعہ تو رکھ لیا اور آدمی کو رُخصت کیا۔
اَگلے دِن اپنے داروغہ کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ
مجھے یہ بات منظور ہے مگر آپ کو یہ معلوم
رہے کہ نکاح ایک ایسی چیز ہے کہ اگر
اُس کو مختصر کیجے تو دو بولوں پر فیصلہ ہے

[۱] یہاں مراد محلہ یا شہر کا ہے۔

اور جو بڑھائیے تو اس سے مشکل کوئی
کام نہیں۔ اگر آدمی اس کام میں ایک
سلطنت لٹا دے تو بھی خلقت کی زبان سے
نہیں بچ سکتا۔ مثل مشہور ہے "نہ کردن
یک عیب و کردن ہزار عیب" پھر ایسا کام
کیوں کیجے جس میں روپیہ کا روپیہ برباد ہو
مہینوں اوقات جدا ضائع ہو۔ نہ خدا خوش
نہ رسول خوش اور لوگوں کے طعنے رہے سو
جدا۔ میں اس وقت صاف کہے دیتا ہوں
کہ یہ جو شہر والے بیاہ شادیوں میں ہزاروں
بیہودہ رسمیں کرتے ہیں اور نمود کے مارے
لڑکیوں کا مہر لاکھ لاکھ اور دو دو لاکھ روپیہ کا
بندھواتے ہیں۔ میں ان رسموں میں سے
کچھ نہیں کرنے کا۔ اگر آپ کی غیرت اس
بات کو گوارا کرے تو بسم اللہ۔ ایک تاریخ
مقرر کرکے اُس دن چلے آئیے۔ دادا جان نے

یہ سب باتیں قبول کیں اور یہ کہلا بھجوایا کہ یہ سب باتیں آپ نے میرے دِل کی سی فرمائیں۔ اگر آپ سے رہجاتیں تو شاید مجھکو خود کہنی پڑتیں۔ مگر گستاخی معاف ہو تو ایک عرض میں بھی کروں؟ مجکو میرے والدِ مرحوم نے وصیّت کی تھی کہ بیٹوں کی شادی کم سے کم پچیس برس کی عمر میں کرنی چاہیئے۔ یہ جو ہمارے ملک میں لوگ اکثر کمزور اور بودے ہوتے ہیں اور چالیس۴۰ پینتالیس۴۵ برس کی عمر میں جاکر کسی کام کے نہیں رہتے اِس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اُن کی شادیاں چھوٹی چھوٹی عمر میں کیجاتی ہیں۔ نہ ابھی اُن کے بدن زور پکڑنے پاتے ہیں نہ اُن کی عقلیں کامل ہونے پاتی ہیں۔ دفعتاً اُن پر یہ بوجھ آن پڑتا ہے۔ چند روز میں پھول کیطرح کملاجاتے ہیں۔ غرض جو بات تھی وہ قرار پاگئی۔ میں امجد علیؑ کو آپ کی غلامی میں دے چُکا۔ مگر رخصت میں ابھی جلدی نہ کیجے گا تو کمال بندہ نوازی ہے۔ امجد علیؑ کو

عنایتِ الٰہی سے بائیسواں سال شروع ہے۔ تین
برس کی اور مہلت دیجئے۔ اس میں یہ فائدہ اور
ہوگا کہ اس نے جب سے یہ سنا ہے کہ مولوی فیض اللہ
بنارسی علمِ ہیئت خوب جانتے ہیں اور اُنکے ہاں کرے
اور ہر قسم کے آلات موجود ہیں اُسوقت سے اُس کو بنارس
کی لَو لگی ہوئی ہے۔ اس عرصہ میں یہ وہاں بھی ہو آئیگا
اور وہیں سے کچھ اسبابِ تجارت اور ایک دو
آدمی تجربہ کار اُس کے ساتھ کرکے دکھن بھیجنے کا
قصد ہے۔ یہ ارادہ بھی پورا ہو جائیگا۔ کیونکہ اس سے
ذرا اُس کا دِل بھی کُھلیگا اور تجارت میں بھی تھوڑا
بہت سلیقہ پیدا کرے گا۔ اور دس بیس شہر
مفت دیکھنے میں آجائیں گے۔ یقین ہے کہ یہ سب
مراتب تین برس سے ورے ورے ختم ہوجائینگے
پھر آپ کو اختیار ہے جب چاہیئے گا رخصت کر دیجے گا۔
نانا جان نے یہ سب باتیں منظور کیں۔ غرض کہاںتک
بیان کروں چوتھے برس جب ابّا جان دکھن سے

واپس آگئے۔ اُن کے آتے ہی نکاح کی تاریخ مقرر
ہوگئی۔ میں نے سنا ہے کہ نکاح کے وقت داداجان
نے ہرچند چاہا کہ مہر کچھ زیادہ بندھے مگر ناناصاحب نے
دوہزار سے زیادہ نہ بندھوایا۔ اور یہ بھی سنا ہے
کہ نکاح سے پہلے آپ اُٹھکر محلسرا میں تشریف لے گئے
اور جتنی پردہ والیاں تھیں اُن کو الگ کراکر صاحبزادی
سے یہ فرمایا کہ بٹیا تم خدا کے فضل سے پڑھی لکھی
قابل اور ہوشیار ہو۔ ہر ایک بات کی بُرائی
بھلائی کو خوب جانتی ہو۔ تم کو زیادہ سمجھانے کی
کچھ ضرورت نہیں۔ میر سیّد علیؓ کے گھرانے کا
حال تمہاری امّاں بہشتن تم سے سب کچھ کہہ چکی ہیں
اُن کے ہاں کے مرد و عورت کا چال چلن جو میں نے
سُنا ہے بہت اچھا ہے۔ آگے خدا کو علم ہے۔ اور
اُن کا بٹیا امجد علیؓ بھی ظاہر میں نہایت سعادتمند
اور اہل[۱] معلوم ہوتا ہے۔ اور لیاقت میں تو اپنے

[۱] لائق اور نیک۔

ہم جولیوں سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ مگر یہ نکاح کا
وقت ہے۔ اِس وقت تم سے پُوچھ لینا شرط ہے
جو کچھ تمہاری مرضی ہو بے تکلف کہدو۔ وہ سُنکر
چپکی ہو رہیں۔ خواجہ صاحب نے ایک بار کہا۔ دو
بار کہا۔ آخر جب دیکھا کہ یُوں کام نہیں چلتا۔ کہا
سنو میری جان! یہ کوئی دو چار دن کا معاملہ نہیں
یہ عُمر بھر کی قید ہے۔ تمہارا باپ ایسا نادان نہیں
ہے کہ بے پُوچھے تمہارا ہاتھ ایک غیر آدمی کے
ہاتھ میں دیدے۔ اپنی اپنی سمجھ جُدا ہے۔ میرے
نزدیک وہ لاکھ اچھے ہوں مجھے کیا خبر ہے کہ
تمہارے دِل میں کیا ہے؟ اور معاملہ کی بات میں
شرم کرنی بیوقوفی ہے۔ اِس کا انجام اچھا نہیں
ہوتا۔ ہم نے تم کو چار حرف اِس لیے نہیں پڑھائے
کہ جہالت کی قید میں پھنسی رہو اور وہی اگلے زمانہ
کی بیہودہ رسمیں برتے چلی جاؤ۔ نہیں۔ عِلم کے
معنی یہ ہیں کہ آدمی وہ کام کرے جو اُس کے حق میں

بُرا نہ ہو اور خدا رسول کے نزدیک اچھا ہو
خواہ اِس میں کوئی بُرا کہے خواہ بھلا کہے۔ بس
یہ بے محل شرم و حجاب کہاں تک رہے گا؟
باہر دس بھلے مانس بیٹھے راہ دیکھ رہے ہیں۔
اگر سَو دفعہ تمہارا دِل جُھکے تو اِس بات کو قبول
کرو۔ نہیں تو جواب دو؟ میں ابھی لوگوں کو ایک
خوبصورتی کے ساتھ ٹال دیتا ہوں۔ خُدانخواستہ
تم پر کوئی بات نہیں آئیگی۔ بیٹی نے جب باپ سے
یہ کلام سُنا۔ اُن کی ناخوشی کے آگے برادری
کے طعنوں کا کچھ خیال نہ کیا اور صاف صاف اُنکی
خدمت میں عرض کیا کہ حضور نے لونڈی کے حقمیں
جو کچھ تجویز کیا ہے عین مصلحت ہے۔ آگے ہوتا وہی ہے
جو تقدیر میں لکھا ہے۔ نانا جان یہ کلمہ سُنکر نہایت
خوش ہوئے اور بیٹی کو دُعا دے کر باہر دیوانخانہ
میں تشریف لائے اور قاضی صاحب سے کہا
مَیں لڑکی کا ولی بھی ہوں اور اُس کی طرف سے

وکیل بھی ہوں - آپ بسم اللہ کریں - غرض جب
نکاح ہوچکا نانا جان نے داروغہ کو اشارہ کیا
وہ توشہ خانہ میں گیا اور پانچ توڑے روپیوں
کے اور کچھ خوان زیور اور کپڑے وغیرہ کے سب
اہلِ مجلس کے روبرو لاکر رکھدیے - نانا جان نے
اپنی جیب میں سے ایک گاؤں کی سند نکال کر
اَور سامانِ جہیز کے ساتھ اُس کو بھی رکھدیا
اور دادا جان کیطرف متوجہ ہوکر یہ شعر پڑھا- **بیت**

سُپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حسابِ کم و بیش را

دادا جان نے بہت کچھ شُکریہ ادا کیا اور کہا جہاں
اللہ تعالیٰ کے اور مجھ پر بڑے بڑے احسان
ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ **امجد علیؓ** کو
آپ کی غلامی نصیب ہوئی - نانا جان نے داروغہ
سے کہا کہ جلد کہاروں سے کہو زنانی ڈیوڑھی پر
پینَس لگائیں - اور آپ اُٹھ کر اندر تشریف لے گئے

جو جو چھپنے والیاں تھیں چھپ گئیں۔ آپ سیدھے بیٹی کے پاس چلے گئے اور اُن سے کچھ کان میں کہکر گلے لگایا۔ اور فرمایا لو بیٹا خدا حافظ! انا حُسینی خانم تمہارے ساتھ جائیں گی۔ برس چھ مہینے جب تک سسرال میں تمہارا جی لگے یہ تمہارے پاس رہیں گی۔ پھر جس وقت اماں جان رخصت ہوکر پینس میں سوار ہو چکیں تو ابا جان کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور گھڑی بھر تک اُن کو کچھ سمجھاتے رہے۔ پھر رخصت کیا۔

مجھ سے یہ ساری داستان انا حُسینی خانم ہی نے بیان کی تھی۔ میں نے اپنے ہوش میں ابا جان کو نہیں دیکھا۔ میری عمر کچھ اوپر تین برس کی تھی کہ اُن کا انتقال ہوگیا مگر شادی کے بعد بیس بائیس برس جیے۔ میں اُن کی شادی سے کہیں اٹھارہ یا اُنیس برس بعد جاکر پیدا ہوا تھا۔

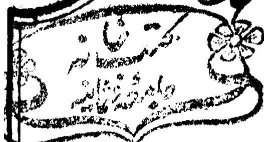
ایک دن میں نے اماں جان سے پوچھا کہ نانا جان نے

رخصت کے وقت آپ سے اور اباجان سے کیا کہا تھا؟ آپ اٹھکر اندر چلی گئیں اور کتابوں کی الماری میں سے کچھ لکھے ہوئے کاغذ لاکر میرے حوالے کیے اور فرمایا کہ لو یہ وصیّت نامہ تمہارے ابا لکھ مرے ہیں۔ اس میں جو کچھ تم پوچھتے ہو سب لکھا ہوا ہے آج سے اس کو تم اپنے پاس رکھو اور کبھی کبھی اسے دیکھتے رہا کرو۔ میں نے جو اسے کھول کر اوّل سے آخر تک پڑھا تو حقیقت میں اس کا ایک ایک بول جواہرات کا مول رکھتا تھا۔ خدا نے چاہا تو کبھی فرصت کے وقت اوّل سے آخر تک سناؤنگا۔

پہلا حصہ تمام ہوا

بقلم شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

سلسلہ تصانیفِ حالیؔ
نمبر ۲



مجالِسُ النسا

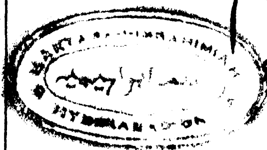
جسکو

شمسُ العُلما مولانا خواجہ الطاف حُسینؔ حالی مرحوم

نے

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لیے تالیف کیا

حِصّہ دوم



سنہ ۱۹۲۴ء

باہتمام خواجہ فرزند علیؔ

حالی پریس پانی پت میں چھپا

حالی پریس پانی پت

ایک عرصہ سے پانی پت میں ایک مطبع جاری کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی مولانا حالی کی زندگی میں اُن کے دوست جناب مولانا وحید الدین صاحب سلیم نے ایک مطبع اسی نام کا جاری کیا تھا جو چند سال نہایت مفید کام کرنے کے بعد بند ہوگیا اب میں نے اپنے نانا صاحب (مولانا خواجہ الطاف حسینؒ صاحب حالی) مرحوم و مغفور کی یادگار میں ایک نیا مطبع بنام **حالی پریس** جاری کیا ہے۔ اسکا مقدم مقصد یہ ہے کہ مولانا حالی مرحوم کی تمام تصانیف ایک سلسلہ کی صورت میں اور ایک تقطیع پر چھپوائی جائیں اور اُنکی تصحیح کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔ اسکے علاوہ کوشش کیجاتی ہے کہ اُجرت کا کام عمدہ اور جلدی کیا جائے اور جہانتک ممکن ہو کفایت کے ساتھ کیا جائے پریس کی کامیابی اور اُسکی ترقی افسرانِ محکمہ جات اور رؤسا اور پبلک کی سرپرستی اور توجہ پر منحصر ہے۔ اگر یہ حاصل ہوگئی تو ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں گے کہ پریس اِس سرپرستی کا پورے طور پر مستحق ثابت ہو۔

تصانیفِ حالی

۱۔ **مولود شریف** ۔ یہ کتاب پہلے کبھی نہیں چھپی۔ اس کا مکمل اور مجلد مسودہ مولانا مرحوم کا دستخطی صاف کیا ہوا حال ہی میں دستیاب ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عظمت اور محبت مولانا مرحوم کے دل میں تھی وہ اِس کے ایک ایک لفظ سے مترشح ہوتی ہے۔ نئے خیالات کے لوگ اِس کو دلچسپ پائیں گے۔ خاصکر پرانے خیالات کے مسلمان غالباً اسکو زیادہ پسند کریں گے۔ کسی مسلمان کا گھر اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔ قیمت ۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا حصہ

چھٹی مجلس

آتو جی اور مریم زمانی اور ببلی بیگم کی گفتگو

آ- تو بوا! زبیدہ خاتون کا قصہ سن لیا۔ دیکھو اسکی ماں نے بیٹی کو پڑھا لکھا کر کیسا قابل کر دیا۔ کیا ہم آدمی نہیں ہیں؟ ہم چاہیں تو اس سے زیادہ اپنی اولاد کو

آدمی بنالیں۔ پردیسی لیاقت کہاں سے لائیں؟

م۔ ز۔ حضرت! قصور معاف ہو تو کہوں۔ اِس سے یہ کیونکر نکلا کہ مائیں بیٹیوں کو بھی پڑھا سکتی ہیں؟ ذکر تو میرے الحمد مرزا پر چلا تھا۔ آپ اُس پر زبیدہ خاتون کا قصہ لے بیٹھیں۔ کہاں بیٹیوں کا پڑھانا۔ کہاں بیٹوں کا تربیت کرنا؟ اِس میں اور اُس میں آسمان زمین کا فرق ہے۔

آ۔ بڑی بیگم! سنتی ہو۔ مریم زمانی کی باتیں؟ کیا تمہارے نزدیک بھی مائیں بیٹوں کو تعلیم نہیں کر سکتیں؟

ب۔ ب۔ آ تو جی! سچ تو کہتی ہے۔ بات تو کہیں کی تھی تم نے اُسے ادھر ڈھال دیا۔ یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ ماں پڑھی لکھی ہو تو بیٹی کو بُری یا بھلی طرح تعلیم کر سکتی ہے۔ پر بیٹوں کا پڑھانا ماؤں کا ہرگز کام نہیں۔

آ۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک بات کا تو اقرار کیا۔ اب دوسری بات کا بھی وقت آتا جاتا ہے۔ ذرا میں

اُس وصیّت نامہ کو سُناؤں جو سیّد عبّاس کے باپ نے آخری وقت میں لکھوایا تھا۔ پھر تمہاری بات کا بھی جواب آجائیگا۔

سیّد عباس کہتا ہے کہ اظن جان نے جو لفافہ مجھے لاکر دیے تھے۔ میں نے دیکھا تو اُن میں یہ لکھا تھا

سیّد امجد علیؒ کا وصیّت نامہ

بعد حمد و نعت کے خاکسار امجد علی سب صاحبوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ اگرچہ یہ خبر کسی کو نہیں کہ موت کب آئے گی؟ اور کہاں آئے گی؟ مگر اپنی بار جو میں بیمار پڑا ہوں اس سے آپ ہی آپ میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ شاید میرا وقت قریب آپہنچا۔ اس بات سے میرے عزیز اور دوست اپنا جی نہ کڑھائیں۔ کیونکہ اگر سچ مچ میری عمر کے دن تمام ہو چکے ہیں۔ تو کمال شکر کی جگہ ہے کہ اس وقت میرے ہوش و حواس قائم ہیں۔ جن سے کچھ کہنا ہے۔ کہہ سکتا ہوں۔ جن کا

کچھ دینا ہے بہت حق سمجھتا ہوں۔ سب سے پہلے میں
اللہ تعالیٰ کا یہ شکر کرتا ہوں کہ اُس نے مجھکو دین اسلام
میں پیدا کیا ہے۔ اور توحید کا سبق بتایا اور میرے
بعد اُسکے ماں باپ کا بیحد احسان ہے جنھوں نے پہلے
میرے پالنے اور پرورش کرنے میں کوشش کی۔
اور پھر میری تعلیم او تربیت میں اپنی جان کھپائی۔
اگر ایک کانٹا میرے پاؤں میں چبھ جاتا تھا تو اُنکے
دل میں جاکر کھٹکتا تھا۔ اور جس بات سے میرا دل
میلا ہوتا تھا اُس سے ان کی جان پر بن جاتی تھی۔ اس
پیار اور اخلاص پر پڑھنے لکھنے میں کبھی اُنھوں نے
میری دلداری نہ کی۔ اچھا کھلایا۔ اچھا پہنایا۔ اچھے
بچھونوں پر سلایا۔ اچھے گھوڑوں پر چڑھایا۔ جو کہا
سو کیا۔ جو مانگا سو دیا۔ غرض ساری نازبرداریاں کیں
مگر پڑھنے کے حق میں جب دیکھا دشمن کی نگاہ
سے دیکھا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جو باتیں بچپن میں
مجھے ناگوار معلوم ہوتی تھیں اُن سے میرے ماں باپ کا

دل مجھ سے بھی زیادہ دکھتا ہوگا۔ مگر انہوں نے اپنی
چھاتی پہ پتھر رکھنا قبول کیا اور میری خوشی اور ناخوشی کا
کچھ خیال نہ کیا۔ اس کے بعد مجھے اس بات کا شکر
کرنا بھی ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی قوم کی
سلطنت میں پیدا کیا جن کو خدا تعالیٰ نے قرآن میں
مسلمانوں کا سب سے زیادہ دوست فرمایا ہے۔
انگریزی سلطنت کی بدولت آج ہندوستان میں
وہ روشنی پھیل رہی ہے کہ رات اور دن میں کچھ
تمیز نہیں رہی۔ رستے ایسے صاف ہیں کہ جہاں
پہلے قافلوں کا گذر نہ ہوتا تھا۔ اب وہاں جس کا جی
چاہے آنکھ بند کرکے سونا اُچھالتا چلا جائے۔ تجارت
اس قدر آسان ہوگئی کہ دو دن میں ہزاروں من مال
مشرق سے مغرب میں اور جنوب سے شمال میں پہنچتا ہے
جن شہروں کا پہلے نام ہی نام سنتے تھے۔ اب وہاں
جانا ایسی بات ہے جیسے بازار میں سیر کر آئے۔
اگر ہزاروں کوس کسی کو کچھ خبر بھیجنی ہو تو پلک مارنے سے

کسی کی خبر منگانی ہو تو منہ سے بات نکالنے کی دیر ہے
جو خبر بھیجو اُسکی رسید لو۔ جو بات پوچھو اُس کا جواب لو۔
پیشے والے پہلے اپنے کاموں کی قدر آپ نہ جانتے تھے
صبح سے شام تک جان کھپاتے تھے تو کہیں شام کو جا کر
دو تین آنے پلے پڑتے تھے۔ اب ہر شخص کو اُس کی
محنت کا پھل خاطر خواہ ملتا ہے۔ یہ غلطی ہمیشہ سے چلی
آتی تھی کہ نکمے آدمی سدا عیش و عشرت سے بسر کرتے
تھے اور کام کے آدمی ذلیل و خوار پھرتے تھے۔ یہ اسی
سلطنت کا صدقہ ہے کہ جتنے حق دار تھے وہ اپنے حق کو
پہنچ گئے۔ کھیتی کا مدار پہلے ہر جگہ بارش پر یا کنوؤں
کے پانی پر تھا۔ اب گنگا اور جمنا چاروں کھونٹ میں
ڈھونڈی دوڑی پھرتی ہیں۔ جہاں جہاں نہر گئی ہے
وہاں ہمیشہ سماں رہتا ہے۔ اِس کے سوا پہلے بادشاہوں
اور امیروں کے سوا غریبوں کی بیماری کا علاج جیسا
چاہیئے ویسا نہ ہوتا تھا۔ کہیں طبیب کو ڈھونڈنا پڑتا تھا۔
کہیں دوائیں مول لینی پڑتی تھیں۔ اب شہر شہر اور

قصبے قصبے اور گاؤں گاؤں سرکاری ڈاکٹر علاج کرتے
پھرتے ہیں۔ نہ کچھ ڈاکٹر کو دینا پڑتا ہے۔ نہ دوا مول لینی
پڑتی ہے۔ جس کا جی چاہے علاج کرائے۔ جو دوا
چاہے لیجائے۔ پہلے اول تو کتاب ملتی ہی نہ تھی۔
اور جو ملتی بھی تھی تو بہت بھاری قیمت کو ملتی تھی۔
اور جو لکھواتے بھی تو ایک ایک کتاب برسوں میں
تمام ہوتی تھی۔ اب چھاپے کی بدولت کتاب اور
ترکاری ایک بھاؤ بکتی ہے۔ جو سواریاں پہلے
بادشاہوں کو میسر نہ تھیں۔ وہ آج ادنے ادنے
آدمی کے پاس موجود ہیں۔ جو کپڑا پہلے امیروں کو
نصیب نہ ہوتا تھا۔ وہ پنہاریوں کے بچے پہنے
پھرتے ہیں۔ پہلے جب کوئی تمام عالم کی سیر کرتا تب
جا کر اس کو ساری دنیا کی حقیقت معلوم ہوتی۔ لیونکہ
ہر ایک ملک کا نقشہ نہایت صحیح چھپا ہوا کاغذ کے مول
بکتا پھرتا ہے۔ جس کا جی چاہے گھر بیٹھے ساری دنیا
کے پہاڑ اور جنگل اور دریا اور جزیرے اور آبادی

امورِ جمہوری نے کی ہیں۔ پیشتر کے بعد پہلے اہل ہند کو پڑھنا لکھنا
اسی قدر مشکل تھا کہ اس سے زیادہ کوئی مشکل کام
نہ تھا۔ اب سرکار کی تعلیم نے اس مہم کو ایسا آسان
کر دیا کہ جاہل رہنا مشکل ہے اور پڑھنا لکھنا آسان ہے
پہلے شہروں کی صفائی ایک ایسی چیز تھی کہ کبھی اسکا
تصور بھی دل میں نہ آتا تھا۔ اب ایک ایک گلی اور
ایک ایک کوچہ اور سڑک اور بازار ایسے صاف
رہتے ہیں کہ پہلے شاید امیروں کے رہنے کے مکان
بھی اتنے صاف نہ رہتے ہوں گے۔ پہلے غریب امیروں سے
اور رعیت حاکموں سے ایسی دبتی تھی جیسے غلام اپنے آقا
سے دبتا ہے۔ اب ہر شخص کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے
ایک جرمِ قانونی کے سوا اور جو کچھ جس کے جی میں آئے
سو کرے۔ کوئی کسیکا مزاحم نہیں۔ ایک حاکم کے
فیصلے سے ناراض ہو دوسرے کے ہاں جا کر نالش کرے
وہاں بھی خاطر خواہ حکم نہ ہو تیسرے سے جا کر کہے۔ چوتھے
سے کہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے دربار میں جا کر

فریاد کرے۔ جو مذہب جسکا جی چاہے اختیار کرے سرکاری قانونوں کی جو بات ناگوار معلوم ہو اُس پر اعتراض کرے۔ غرض اسی طرح کی اور سینکڑوں باتیں ہیں میں نے یہاں تقریر کو اس لیے بدل دیا ہے تاکہ میری اولاد اس سلطنت کی قدر پہچانے۔ آدمی کا قاعدہ ہے جو سدا سے آرام و آسائش میں رہا کرتا ہے اُس کو آرام و آسائش کی قدر نہیں ہوتی۔ شاید میری اولاد اس سلطنت کی کچھ قدر نہ جانے۔ کیونکہ وہ اس زمانہ کے سوا اور کچھ نہیں دیکھنے کے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ جس وقت وہ پڑھ لکھ لیں گے۔ اور اگلے بادشاہوں کے حال کتابوں میں لکھے دیکھیں گے اُس وقت اُن کی آنکھیں کُھلیں گی۔ اور اُسی وقت یہ سمجھیں گے کہ ملکہ معظمہ کا سایۂ عاطفت ہمارے سر پر بہت بڑی دولت ہے اور ہماری خوش نصیبی کی نشانی ہے۔

اس کے بعد پھر میں اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک بڑے عالی خاندان کی

لڑکی سے میری شادی کی۔ اس بیوی نے آکر میرے
گھر کے ایک ایک کونے سے تاریکی کو کھو دیا۔ بُری
بُری رسمیں جو ہمارے ہاں بڑوں کے وقت سے چلی
آتی تھیں۔ اور بُرے بُرے عقیدے جن کو ہمارے
ہاں کے مرد عورت اپنا دین و ایمان جانتے تھے۔ اُنہوں نے
ان کو ایسی خوبصورتی سے مٹایا کہ کسی کو ناگوار نہ گذرا۔
بلکہ اُلٹے سب اُن کے ممنون ہوئے۔ میری ماں بہن
کے ساتھ اُنہوں نے وہ برتاؤ برتا کہ میں اُن کا یہ احسان
قیامت تک یاد رکھونگا۔ خواجہ صاحب وقبلہ نے اُن کو
رخصت کے وقت یہ کہا تھا کہ " اول تو جہاں تک ہو سکے
تم اپنی ساس نندوں سے نباہ کرنا۔ اور جو دیکھو کہ کسی
طرح نہیں بنتی تو اپنے میاں سے کہکر الگ ہو جانا۔ اور
یہ خیال نہ کرنا کہ لوگ بُرا کہیں گے یا ساس نندیں بُرا
مانیں گی۔ اب تو ایک ہی دفعہ بُرا مان کر رہ جائیں گے۔
اور ساتھ رہنے میں روز بگاڑ رہیگا۔ مگر اپنے خاوند کو
اُن کی اطاعت سے باہر نہ ہونے دینا۔"

میں اس وقت صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ اگر
یہ چاہتیں تو مجھے ماں بہن سے جدا ہونے میں کچھ عذر
نہ ہوتا۔ کیونکہ میں بھی اس بات کو نہایت مصلحت جانتا تھا
مگر انھوں نے یہاں تک نوبت ہی نہ آنے دی۔ میری
ماں بہنیں ہمیشہ ان کا دم بھرتی رہیں۔ اس کے سوا
فضولخرچی بھی عورتوں کا شیوہ ہے۔ کھانے پینے میں
بیاہ شادی میں۔ مرنے جینے میں آگا پیچھا کچھ نہیں
دیکھتیں۔ ہمیشہ اُن کو یہ دُھن لگی رہتی ہے کہ محفل میں
نکلیے تو ایسا جوڑہ پہنکر نکلیے جو کسی کے پاس نہ نکلے۔
لڑکے کی چھٹی میں ایسی دھوم دھام کیجے جو کسی نے
نہ کی ہو۔ سسرے کا مرنا ایسا کیجے کہ ساری برادری
میں نام ہوجائے۔ اس میں گھر بک جائے تو بک جائے
گھر کا اسباب نیلام ہوجائے تو ہوجائے۔ حالانکہ میں نے
کبھی ان سے اپنی جان تک عزیز نہ سمجھی مگر انھوں نے
سدا میری چیز کو ایسا سمجھا جیسے کوئی امانتدار آدمی
کسی غیر کی چیز کو سمجھتا ہے۔ کبھی ایک کوڑی بیجا صرف

شیخ نذیر

لڑکی کبھی ایک وقت بے جگہ نہ اُٹھایا۔ گھر کے انتظام
میں خانم کے سبب سے کبھی مجھ کو دردِ سر کرنا نہ پڑتا۔ بلکہ
اگر مجھ سے دس مرد بلکہ بڑے گھر کا انتظام کرتے تو بھی
اُن سے بہتر نہ ہو سکتا۔ میر حسن خاں مرزا بعلی روپے کا
سوداگری کا اسباب برسوں پڑا رہتا اور دو دو برس
رہتا تھا۔ اور اسی میں اکثر اسباب ایسا ہوتا تھا کہ دس
دن اُس کی خبر لی جائے تو کام سے جاتا رہے۔ مگر اُنکی
توجہ سے کبھی کوئی چیز نہ بگڑی۔ اس کے سوا عورتوں کو
یہ بھی مرض ہوتا ہے کہ ہر وقت دروازے پر ڈولی
کھڑی ہی رہتی ہے۔ خالہ۔ پھپھی۔ بہن بھابھی کے
ہاں جانے سے کبھی فرصت نہیں ہوتی۔ اور اسی سبب سے
اکثر میاں بیوی میں بگاڑ رہتا ہے۔ مگر اُن کی ہمیشہ یہ
صورت رہی کہ جب میں ہی اُن کو میکے میں بھیجتا تھا
تو مہینوں میں ایک آدھ پھیرا کر آتی تھیں۔ علاوہ بیاہ
شادی میں جہاں کہیں ملنسی ہی ملت جلت ہوتی تھی
تو مجبور دو چار گھڑی کے لیے جاتی تھیں۔ نہیں تو اوّل کہیں

جلسوں کی لے سے۔ نہیں تو بالکل بہرہ کار نہ تھا۔ اس پر یہ کے
ہوا جب سے والد مرحوم نے مجھ کو چار حرف پڑھوائے اہل علم
کے سوا کسی کی صحبت مجھے نہ بھاتی تھی۔ خصوصاً گھر میں
بیٹھنے سے ایسا جی گھبراتا تھا کہ اماں اور ابا نے میرا نام
بالکل گھر اسکھ[له] دیا تھا۔ جب سے یہ کہیں میرا ہر وقت کا
باہر رہنا خود بخود چھوٹ گیا۔ ان کی صحبت میں مجھے باہر
کی صحبتوں کی پروا نہ رہی۔ پردیس میں بھی اکثر یہ میرے
ساتھ رہیں۔ مگر سوا اماں بہن کے خیال کے اور کبھی
میں نے وطن کو یاد نہ کیا۔ ایک ان کے ساتھ ہونے
نے مجھے پردیس بھی وطن کے برابر معلوم ہوتا تھا۔
اس کے سوا ہمارے ہاں دادا صاحب کے وقت سے
کئی ہزار روپے کا قرض چلا آتا تھا۔ اور خرچ کی
ابتری سے اس کے اترنے کی کوئی صورت نہ بنتی تھی
انہوں نے ایسا سلیقے سے انتظام کیا کہ دس برس
میں ایک ایک کوڑی قرض کی اتار دی۔ رہنے کا مکان

له جو تنہائی پسند کرے۔ ہمسائی سے گھبرائے۔

ہمیشہ ٹوٹا پھوٹا۔ میلا کچیلا رہتا تھا۔ انہوں نے مکان کی صورت ہی بدل دی۔ گرمی۔ سردی۔ برسات۔ جس موسم کا آرام چاہیئے موجود ہے۔ جس نے یہ مکان بیس برس پہلے دیکھا ہو اور وہ اب آکر دیکھے تو ہرگز اسکی پہچان میں نہ آئے کہ یہ وہی مکان ہے۔ غرض کہاں تک بیان کروں ان کا حق مجھ سے کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا اب ان سے میری یہ التجا ہے کہ جہاں جیتے جی تمہارے اور ہزاروں احسان مجھ پر ہے۔ اب میرے مرنے کے بعد بڑا احسان یہ ہے کہ سیّد عبّاس کی تربیت میں ایسی کوشش کرنا کہ میری روح تم کو دعا دے۔ اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ تمہاری زندگی ہمیشہ اچھے کاموں میں صرف ہوگی۔ مگر اس وقت اس کا حق مجھ پر بھی تھا کہ تم کو اس باب میں وصیت کر جاؤں۔ اور اماں اور آپا سے میرا یہ سوال ہے کہ میرے بعد سیّد عبّاس کی والدہ کو میری جگہ سمجھیں۔ بلکہ مجھ سے بھی زیادہ عزیز جانیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ سیّد عبّاس کو زندگی عنایت

کرے تو اُس کو اور اُسکی اولاد کو اول وصیت میری یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے تحصیلِ علم میں سعی کرنا۔ یہ ایک ایسی نصیحت ہے کہ سارے جہان کی نصیحتیں اسی میں آگئیں۔ تمام دنیا اور دین کی بھلائیاں ایک علم کے پڑھنے سے اِنسان میں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اِس کے سوا چند باتیں روز کے برتاؤ کی بھی بتائے دیتا ہوں۔ اگر ان کے موافق عمل کریں گے تو دنیا میں اُن کے بہت کام آئینگی۔ دنیا میں عزت چاہو تو وہ ہُنر سیکھو جس کی بادشاہِ وقت کے ہاں قدر ہو۔ ہر زمانہ اور ہر سلطنت میں ایک نئی چیز کی قدر ہوتی ہے۔ جو لوگ اگلے وقتوں کے ہُنر کو ہُنر سمجھے جاتے ہیں اور نئے کمال اور نئے ہنر نہیں سیکھتے وہ ہمیشہ دنیا میں ذلیل اور خوار رہا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں کئی پشت سے تجارت کا پیشہ چلا آتا ہے۔ مگر تم کو کچھ ضرور نہیں کہ تم بھی تجارت ہی کرکے روٹی پیدا کرو نہیں بلکہ جس کام کی لیاقت اپنے میں دیکھو اور جس بات کی برائی بھلائی سے خوب واقف ہو وہ پیشہ اختیار

کرو۔ بعض نوکری پیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی
طرح ہماری ترقی ہو۔ مگر جس لیاقت پر ترقی موقوف
ہے اُس کے حاصل کرنے میں کوشش نہیں کرتے۔
یہ بڑی غلطی کی بات ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ پہلے وہ
کمال پیدا کرے جس سے خود بخود اُس کی پوچھ ہو۔ اگر
کوئی حاکم یا کوئی امیر تمہارا کہنا مانتا ہو تو کبھی کسی نالائق
آدمی کی سفارش نہ کرنا۔ اور جو کرو تو اُس کے عیب و ہنر
سب جتا دینا۔ اگرچہ وہ شخص تمہارا کیسا ہی دوست ہو۔
نہیں تو ایک اس کا بھلا کرنے میں اور سینکڑوں لائق
آدمیوں کا برا ہوگا۔ کیونکہ جب تمہاری سفارش ایک بار بھی
غلط نکلے گی۔ پھر تمہاری سچی بات کو بھی کوئی نہیں
ماننے کا۔ وعدہ خلافی کرنی۔ جھوٹ بولنا۔ رشوت لینی
تغلب کرنا۔ خوش بیانی کے لیے مبالغہ کرنا۔ مسخرپن دکھلانا
نکالنا۔ محفلوں میں ایک ایک پر پھبتی کہنی۔ اور ایسی سب
باتوں کا اس زمانہ میں مطلق عیب نہیں رہا۔ مگر دیکھو کبھی تم
ان کو عیب نہ جانو۔ معاش پیدا کرنے کے لیے تم کو

بار ہا سفر کرنے کا اتفاق ہوگا۔ ایک جمعے کے دن تو سفر نہ کرنا۔ کیونکہ وہ عبادت کا دن ہے۔ جس طرح یہودیوں کے ہاں ہفتہ اور عیسائیوں کے ہاں اتوار ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں جمعہ ہے۔ اس کے سوا اور سب دن خدا کے ہیں۔ کبھی سفر کرنے میں تردد نہ کرنا۔ لوگ کہتے ہیں کہ دساسول ہفتے اور پیر کو مشرق میں ہوتا ہے۔ اور جمعے اور اتوار کو غرب میں۔ اور منگل اور بدھ کو شمال میں اور جمعرات کو جنوب میں۔ جب دساسول سامنے ہو تو سفر نہ کرنا چاہیئے۔ ایسی باتوں کو تم ہرگز نہ ماننا۔ بعضے وقت ایسے ایسے وہموں سے آدمی اپنا بڑا نقصان کر بیٹھتا ہے۔ شاید تم کو گھوڑے کی تجارت کرنے کا اتفاق ہو یا اپنی سواری کے لیے گھوڑا خریدنا ہو تو جو گھوڑا بیمار ہو۔ یا سواری میں کوئی عیب کرتا ہو۔ یا صورت کا بُرا ہو۔ اُس کے نہ لینے کا مضائقہ نہیں۔ اِس کے سوا اور بیسیوں بھوریوں کے عیب جو لوگوں نے ٹھیرا رکھے ہیں اِن عیبوں کا خیال تم ہرگز نہ کرنا۔ اِس زمانہ میں لوگ اُس شخص کو بہت بڑا

سالوتری اور چابک سوار جانتے ہیں جو کسی لاگ سے عیب دار گھوڑے کو بے عیب کرکے خریدار کے سر منڈھ دے یہ بہت بڑا عیب ہے۔ تم گھوڑے کی سوداگری کرو تو مول تول کرنے سے پہلے گھوڑے کا ایک ایک عیب جتا دینا۔ بعضے لوگ سوداگری مال کو برسوں اس امید پر پڑا رکھتے ہیں کہ جب دُگنا تِگنا نفع ہوگا تب بیچیں گے۔ جن کو یہ خیال ہوتا ہے وہ ہمیشہ ٹوٹے میں رہا کرتے ہیں۔ اور جو اُسی وقت اَونے پَونے کرکے بیچ دیتے ہیں وہ بہت کم نقصان اُٹھاتے ہیں۔ کامی آدمی سے ملنے جاؤ تو اُس کی فرصت کے وقت جانا۔ نہیں تو تمہارا جانا اُس کو ناگوار معلوم ہوگا ایسے لوگوں سے دوستی کرنی نہ چاہیئے جو بے ضرورت آکر تمہارا وقت ضائع کر جائیں۔ وقت کو جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھنا۔ جو کام ہمیشہ کرنے پڑتے ہیں اُن کے وقت باندھ لینا۔ یہ نہیں کہ جو کام جب چاہا کر لیا۔ اِس کا فائدہ اسی وقت معلوم ہوگا جب وقتوں کی پابندی اختیار کروگے بعضے لوگ اپنی بیویوں پر تشدد[1] کرنے کو نہایت انتظام

---

[1] سختی۔ بدسلوکی۔

کی بات جانتے ہیں۔ اور ہر وقت اُن سے بدگمان رہنے کو
کمال غیرت اور حمیت سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ اپنی زندگی آپ
تلخ کرتے ہیں اور عورتوں کا صبر اپنی گردن پر لیتے ہیں۔
مجھ کو میری شادی کے دِن عین رخصت کے وقت خواجہ
صاحب وقبلہ نے یہ نصیحت کی تھی کہ "عورتوں سے بدگمان
رہنے کی ممانعت حدیث میں آئی ہے" میں نے اُن کی
اس نصیحت سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ تم بھی اِس نصیحت کو
کبھی نہ بھولنا۔ مصیبت کے وقت اِستقلال کو ہاتھ سے
نہ دینا۔ ہمیشہ صبح کو سویرے اُٹھنا۔ جس سے ملو اُس سے
کوئی نہ کوئی بات سیکھنے کا ارادہ رکھنا۔ کاہل وجود اور
اِمتیازی بن کر نہ بیٹھنا۔ اور نوکروں کو صرف یہ سمجھنا کہ یہ بھی
ایک ہمارے مددگار ہیں۔ جب تم کسی بڑے کام میں مصروف
ہو تو چھوٹے چھوٹے کام اُن سے لینا۔ اور جو تمہارے آگے
کوئی بڑا کام نہ ہو تو اپنا کام آپ کرنے کو عیب نہ جاننا جن
لوگوں کے آگے نوکر چاکر کام کرتے ہیں اکثر وہ اُن کے
سہارے پر آپ بالکل اپاہج ہو بیٹھتے ہیں۔ ایسے مزاج کے

آدمی ہمیشہ تکلیف اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔ جتنی علموں کے سیکھنے میں کوشش کرو۔ اُتنی ہی نئی نئی زبانیں سیکھنے میں سعی کرنا۔ مگر سب سے پہلے اپنی زبان درست کرنا۔ پھر وہ زبان سیکھنا جسمیں دین کی کتابیں ہوں۔ پھر بادشاہِ وقت کی زبان میں کمال حاصل کرنا۔ اِس کے بعد جو زبان تھوڑی بہت آجائے فائدے سے خالی نہیں۔ مگر بہت ضرور نہیں تینوں زبانوں کا سیکھنا ہے۔ بعضے لوگ فارسی زبان سیکھنے میں اپنی عمر تمام کر دیتے ہیں۔ یہ بڑی غلطی کی بات ہے۔ اِس کی ضرورت تھی تو اہلِ عجم کی سلطنت میں تھی۔ اب وہ وقت گیا۔ اب انگریزی میں کمال پیدا کرنا چاہیئے اور فارسی صرف اتنی سیکھنی چاہیئے جس سے اُردو کو رونق ہو۔ غرض جو بات عقل کے نزدیک اچھی ہو اُس کو لاکھ زمانہ بُرا جانے تم کبھی اُس کو عیب نہ جاننا۔ اور جو بات عقل کے نزدیک بُری ہو اُس کو ہزار لوگ اچھا کہیں۔ تم ہرگز اُسے اچّھا نہ کہنا۔ اِس کے بعد اپنی ساری قوم سے میری یہ عرض ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم میں کوشش کریں۔ اور اُن کو جو

خدا تعالیٰ نے جو ہر قابل دیا ہے اُس کو خاک میں نہ ملائیں اور اُن کے پڑھانے لکھانے میں جو ہزاروں فائدے اُن کے اور عورتوں کے لیے ہیں اُنہیں مفت برباد نہ کریں - اور یہ سمجھیں کہ جب دو حرف یاد ہونے سے طوطے اور مینا کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے تو عورتیں جو تمہاری ہم جنس ہیں اُنہوں نے کیا قصور کیا ہے کہ علم پڑھنے سے اُن کو کچھ فائدہ نہ پہنچیگا ؟ پس جو کچھ وصیتیں مجھ کو کرنی تھیں کر چکا اب سب کو میں اپنے اِسلام پر گواہ کرتا ہوں - اور یہ عہد کرتا ہوں کہ اب تک جو کچھ گناہ مجھ سے ہوئے - اگر جیتا رہا تو جہاں تک ہو سکیگا ان سے بچونگا - اللہ بس باقی ہوس ٭

ساتویں مجلس

سیّد عبّاس کا بیان

سیّد عبّاس نے یہ وصیت نامہ پڑھ کر اپنے تربیت پانے کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ وہ کہتا تھا کہ آٹھ نو برس کی عمر تک میری والدہ نے مجھ کو مکتب میں نہیں بٹھایا بلکہ آپ ہی پڑھاتی لکھاتی رہیں۔ تین گھنٹے دوپہر سے پہلے اور دو گھنٹے دوپہر کے بعد۔ یہ پانچ گھنٹے تو میرے پڑھنے لکھنے کے تھے۔ اِس کے سوا صبح سے لیکر رات کے دس بجے تک میرے تمام اوقات اور کاموں میں صرف ہوتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد ایک آدمی کو ساتھ لیکر جنگل کی ہوا کھانے جاتا تھا۔ اور سورج نکلتے ہی اُلٹا پھر آتا تھا۔ وہاں سے آتے ہی گرم پانی سے نہاکر اُجلے کپڑے پہنے اور جو کچھ ناشتا تیار ہوا وہ کھا لیا۔

اِس میں اکثر سات بج جاتے تھے ۔ اب میرے پڑھنے کا
وقت آیا ۔ دس بجے تک مجھ کو اماں جان برابر پڑھاتی
رہتی تھیں ۔ اِس کے بعد میں اور میری انّا کا بڑا بیٹا
غلام امام جو میرے کوکا سے عمر میں ایک برس بڑا تھا
گیارہ بجے تک برابر اصطبل میں کھیلتے رہتے تھے ۔ اِسمیں
دو چار محلے کے لڑکے اور بھی ہمارے ساتھ کھیلنے کو
آجاتے تھے ۔ گیارہ بجے وہاں سے آکر کھانا کھایا ۔ پھر
بارہ بجے تک اخبار دیکھتا رہا ۔ اِس کے بعد ہمارے
پڑوس میں ایک خوشنویس رہتے تھے ۔ اُن کے
ہاں جاکر نستعلیق کی مشق کرتا تھا ۔ ایک بجے وہاں سے
آتا تھا ۔ ظہر کی نماز پڑھ کر تین بجے تک پھر اماں جان
پڑھاتی رہتی تھیں ۔ تین بجتے ہی پڑھنے سے مجھے چھٹّی
ہوجاتی تھی ۔ اب پانچ بجے تک میں اپنی بندوق سے
کام رکھتا تھا ۔ اِسلام بیگ جو اباجان کے وقت سے
ہمارے ہاں نوکر تھا اُس کو بندوق لگانی خوب آتی تھی ۔
وہ مجھ کو اصطبل میں لیجا کر نشانہ لگانا سکھاتا تھا ۔ اِسی میں

عصر کی نماز بھی پڑھ لی۔ پانچ بجے کے بعد اگر گرمی کا موسم
ہوا تو نہا کر۔ اور نہیں تو اسیطرح گھوڑے پر سوار ہوکر
شہر کے باہر ہوا کھانے چلا جاتا تھا۔ شام کو وہاں سے
آکر مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد
تھوڑی دیر صحن میں ٹہلتا رہا۔ اِس میں عشا کی نماز کا
وقت بھی ہو گیا۔ پہلے وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر ایک
گھنٹہ کتاب کا مطالعہ دیکھا۔ اِس کے بعد امّاں جان
کی خدمت میں جا بیٹھا۔ اب دس بجے تک اُن کی باتیں
سُنتا رہتا تھا۔ اِس میں کبھی تو امتحان کے طور پر کچھ
پوچھنے لگتی تھیں۔ کبھی کوئی قصہ کہنے لگیں۔ کبھی کچھ نصیحت
کرنے لگیں۔ دس بجتے ہی پھر میں اپنے پلنگ پر جاکر
سو رہتا تھا۔ اب اسکی تفصیل سُنیے۔ امّاں جان ہمیشہ
میرے لیے موٹا کپڑا بنواتی تھیں۔ اور یہ کہتی تھیں کہ مہین
کپڑے کی اول تو احتیاط بہت کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے
اُس سے بدن قابو میں نہیں رہتا۔ اِس کے سوا پسینا
اچھی طرح نہیں آتا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب تک

مسام کھلے رہتے ہیں۔ انسان اکثر بیماریوں سے بچا رہتا ہے
مگر اُجلے کپڑے پہننے کی نہایت تاکید رکھتی تھیں۔ اور جو
لوگ کپڑا ہوتے ساتے میلے کچیلے رہتے ہیں۔ اُن کی
طرح طرح سے ہجو کرتی رہتی تھیں تاکہ مجھے میلے کپڑے
سے نفرت ہو جائے۔ اور ہمیشہ سادہ کپڑا پہناتی تھیں
مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی بَنَت کی ٹوپی تک بھی
پہنی ہو۔ یا گریبان میں کنٹھی یا گھیر میں بیک لگائی ہو۔
جو کبھی کسی کے ساتھ کوئی لڑکا بالا مصالح کے کپڑے
پہن کر آجاتا تو میرے روبرو اُن سے یوں کہتیں۔ بُوا!
تم جو اپنے لڑکے کو ایسے کپڑے پہناتی ہو۔ کہیں اس کے
دشمنوں کو ہیجڑا یا زنانہ بناؤ گی؟ اور گرمی۔ جاڑا۔ برسات
کوئی موسم کیوں نہ ہو۔ انگرکھے کے نیچے سینہ بند ضرور
پہناتی تھیں۔ اور یہ تاکید تھی کہ سینہ کہیں سے کھلنے
نہ پائے۔ اور نہانے کی تاکید بھی حد سے زیادہ رکھتی تھیں
بیماری کاہلی کے سوا مجھے یاد نہیں کہ کسی دن میرا غسل
ناغہ ہوا ہو۔ وہ فرماتی تھیں کہ یہ جو پسینے سے روز میل

پیدا ہوتا ہے اِس سے مسام بند ہو جاتے ہیں۔ اِس کا علاج یہ ہے کہ آدمی روز نہاتا رہے تاکہ بدن پر میل جمنے نہ پائے۔ کھانا کھانے میں مجھ کو حکم تھا کہ روٹی کم کھایا کرو۔ زیادہ اناج کھانے سے بدن تو بیشک موٹا ہو جاتا ہے مگر دل و دماغ کا زور گھٹ جاتا ہے۔ ہاں دودھ یا گوشت کا مضائقہ نہیں یہ جتنا چاہو کھاؤ۔ اور یہ حکم تھا کہ ایک ہی بار پیٹ بھر کر نہ کھایا کرو۔ چاہو دن بھر میں چار دفعہ کھاؤ مگر بھوک رکھ کر کھاؤ۔ پیٹ بھر کر کھانے سے اول تو کھانا ہضم دیر میں ہوتا ہے۔ دوسرے طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں کہنا نہیں کرتے ذہن کُند ہو جاتا ہے۔ طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور نوالے کو خوب چبا کر نگلا کرو۔ اور زیادہ پانی پینے سے اس قدر روکتی تھیں جیسے کوئی کسی بُرے کام سے روکتا ہے۔ اور یہ فرماتی تھیں کہ جو آدمی اپنی پیاس کو نہ روکے اُس میں اور جانور میں کچھ فرق نہیں۔ آدمی کو اکثر جھوٹی پیاس لگا کرتی ہے۔ اس میں پانی پینا بہت



بُرا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد کم سے کم گھنٹہ بھر ضبط
کرنا چاہیئے۔ اور سوتے سے اُٹھ کر۔ راہ چلکر۔ محنت
کرکے اُسی وقت پانی پینا نہیں چاہیئے + کھیلنے کی
یہ صورت تھی کہ ہمارے رہنے کے مکان سے تھوڑی دُور
ایک بہت بڑا کچّا احاطہ کھچا ہوا تھا۔ اُس میں گائے۔
بھینس اور گھوڑا بندھتا تھا۔ اور اُن کے لیے نیار بھوس
بھی وہیں رہتا تھا۔ وہاں ہم نے ایک اکھاڑا بنا رکھا تھا۔
وہیں کھیلتے تھے اور وہیں کُشتی لڑتے تھے۔ ہمارے
ساتھ جو آدمی رہتا تھا اُس کو امّاں جان کا یہ حکم تھا کہ
گیند۔ بلّا۔ یا کبڈّی یا بھاگ دوڑ یا کُشتی کے سوا اور
کوئی کھیل نہ کھیلیں۔ اِسلام بیگ جو مجھ کو بندوق لگانی
سکھاتا تھا۔ اُس کو بندوق کے بڑے بڑے کرتب
یاد تھے۔ مگر امّاں جان نے یہ کہہ رکھا تھا کہ اِس کو فقط
سیدھا نشانہ لگانا سِکھا دو۔ اور کرتب ورتب میں
نہیں چاہتی۔ اسیطرح چابک سوار جو گھوڑے پر
چڑھنا سِکھاتا تھا وہ بھی اپنے فن کا بڑا اُستاد تھا۔



اُس کو گھوڑا پھیرنے کے ہزاروں کرتب یاد تھے مگر اُسکو بھی تاکید تھی کہ لڑکے کو اتنا کردو کہ گھوڑے پر ران خوب جمنے لگے۔ باگوں کا حساب اس کی سمجھ میں آجائے نشست بے قاعدہ نہ ہو۔ ڈلکی۔ سرپٹ۔ گشت۔ پھرت کسی بات میں عاجز نہ رہے۔ گھوڑا اُڑانے میں پڑی نہ اُکھڑے گھوڑوں کے مزاج اور خوبُو سے واقف ہوجائے۔ لگام دینی۔ زین باندھنا۔ قائزہ کرنا۔ اگاڑی پچھاڑی لگانی۔ کھریرا اچھی کرنی۔ اِن چیزوں میں سائیس کا محتاج نہ رہے جو بیماریاں گھوڑوں کو اکثر ہوتی رہتی ہیں اُن کے علاج معالجے سے خبردار ہوجائے۔ اِسیطرح میرے اُستاد جن سے میں خط کی اصلاح لیتا تھا وہ بھی بہت سے خط لکھنے جانتے تھے۔ خطِ نسخ۔ خطِ گلشن۔ خطِ غُبار۔ خطِ طغرا۔ اور اِن کے سِوا اور بہت سے خطوں میں اُنکو کمال تھا۔ مگر اماں جان کی یہ تاکید تھی کہ اِس کو جسقدر ہوسکے نستعلیق لکھنا بتادو۔ بس اتنا ہوجائے کہ کوئی اسکا لکھا دیکھکر ناک نہ چڑھائے اور پڑھا اچھی طرح جائے۔ مجھے کچھ زیادہ

خوشنویس بنانا نہیں ہے۔ جو کمرہ مجھ کو اماں جان نے رہنے کے لیے دے رکھا تھا وہ مکان کے صحن میں ایک طرف کو بنا ہوا تھا۔ ہمارے گھر میں اور تو سب مکان پُرانی چال کے بنے ہوئے تھے مگر یہ کمرہ والدِ مرحوم نے اپنے رہنے کے لیے نئی قطع کا بنوایا تھا۔ اس میں پورب پچھم۔ اُتّر۔ دکھن چاروں طرف کی ہوا خاطر خواہ آتی تھی۔ اور اس کے گرد ڈیڑھ گز چکلا برآمدہ نکلا ہوا تھا۔ اور اِس کے چاروں طرف تین تین گز زمین چمن کے لیے چھُٹی ہوئی۔ مجھ کو حکم تھا کہ رات دن اسی کمرے میں بیٹھا اُٹھا کرو۔ اور میری کتابیں۔ اور پلنگ۔ اور اوڑھنا بچھونا بھی اسی کمرے میں رہتا تھا۔ گھر میں اور مکان نہایت عمدہ عمدہ بنے ہوئے تھے۔ مگر مجھے یہاں کے سوا اور جگہ بہت کم بیٹھنے دیتی تھیں اور یہ کہتی تھیں کہ ہوا سب مکانوں میں ہر وقت بھری رہتی ہے۔ اور ہوا کا خواص پانی کا سا ہے۔ جس طرح پانی کہیں ٹھہر جاتا ہے تو چند روز میں سڑ جاتا ہے۔ اِسی طرح جس مکان کی ہوا روز

نکلتی نہیں رہتی۔ وہاں بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اور ہوا جب ہی نکلتی رہے گی۔ جب دوسری طرف سے تازی ہوا کے آنے کا رستہ ہوگا۔ اِسی واسطے حکیموں نے یہ بات نکالی ہے کہ مکان کے دونوں طرف ہوا کے آنے جانے کا رستہ رکھنا چاہیئے۔ بٹیا! اگلے وقتوں کے لوگ سیدھے آدمی تھے۔ مکانوں کی جو قطع قدیم سے چلی آتی تھی اُسی کو جانتے تھے۔ مگر تمہارے ابّا نے جو نئے نئے علم سیکھے۔ اُن کو ان باتوں میں کمال سلیقہ ہوگیا تھا۔ انہوں نے تو کئی بار یہ ارادہ کیا کہ اس مکان کو توڑ کر نئے سرے سے اپنے طور کا مکان بنواؤں۔ مگر یہ بزرگوں کی نشانی تھی۔ میں نے زبردستی اُن کو اس ارادہ سے باز رکھا۔ جب انہوں نے لاچار ہو کر یہ کمرہ بنوایا +

جب تک میں مکتب میں نہیں بیٹھا۔ اماں جان کو زیادہ خیال میری خصلتیں درست کرنے کا رہتا تھا۔ حق یہ ہے کہ اولاد کے اخلاق اور عادات سنوارنے سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں۔ مگر اُن کو اس کا ایسا گُر ہاتھ لگا تھا کہ

اگر میں کسی قابل ہوتا تو اُن کی تربیت سے بہت کچھ فائدہ اُٹھاتا۔ اول اُن کی عادتیں اور خصلتیں ایسی تھیں جن کے دیکھنے سے خودبخود آدمیت آتی تھی۔ دوسرے انہوں نے باہر اور اندر کے نوکر بدلتے بدلتے ایسے آدمی چھانٹ لیے تھے کہ کیا مرد اور کیا عورت سب خیرخواہی کے پُتلے بنے ہوئے تھے۔ اور جب سے انہوں نے یہ جان لیا تھا کہ بیوی کو جتنا لڑکے کی تربیت کا خیال ہے اِتنا اور کسی چیز کا نہیں جب سے امّاں جان تو مجھ پر کیا روک ٹوک رکھتی تھیں جو وہ رکھتے تھے۔ گھر میں رہتا تھا تو۔ اور باہر جاتا تھا تو چاروں طرف سے مجھ کو یہی آواز آتی تھی کہ دیکھو میاں! یہ کیا کرتے ہو؟ یہ بات اچھی نہیں۔ یہ بات بہت بُری ہے۔ یہ بات کرنے کی ہے۔ یہ بات کرنے کی نہیں ہے۔ تیسرے امّاں جان میرے ساتھ کچھ برتاؤ ایسا برتتی تھیں کہ مجھ کو ہر طرح سے اُن کا کہنا کرنا ہی پڑتا تھا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی اماں جان نے میرے ایک طمانچہ تک بھی مارا ہو۔ بلکہ ایک دو دفعہ کے سوا شاید کبھی بُرا بھلا بھی نہ کہا ہوگا۔

باوجود اِس کے اُن کا خوف مجھ پر ایسا غالب تھا کہ اُن کے سامنے ہُوں سے تُوں نہ کر سکتا تھا۔ ساری بات یہ تھی کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا۔ کھیلنا تو درکنار اُنھوں نے کبھی مجھے اپنے سامنے قہقہہ مار کر ہنسنے نہیں دیا۔ جو قاعدہ اُن کے سامنے بیٹھنے کا تھا ہمیشہ اُسی قاعدہ سے بیٹھتا تھا اور ہر وقت منہ چومنا۔ گلے لگانا۔ پیار کرنا۔ یہ بھی اُن کی عادت نہ تھی۔ اس کے سوا نوکریں ہر وقت اُن کی خفگی سے مجھ کو ڈراتی رہتی تھیں۔ اور میں نے جو کبھی مار کا مزا" تک نہ چکھا تھا۔ اِس لیے مار کے نام سے میری بھی روح قبض ہوتی تھی۔ اِس سبب سے جو انہوں نے کہا وہی کیا۔ چوتھے اُن کی عادت تھی کہ اگر مجھ سے کوئی خطا ہو جاتی تو آپ بالکل انجان بنجاتیں۔ گویا اُن کو خبر ہی نہیں۔ اور جو وہی خطا دو چار بار دیکھتیں۔ تو الگ لیجا کر چپکے سے سمجھا دیتیں کہ بٹیا دیکھو! اب کی بار تو میں نے تمہارا عیب چھپا دیا۔ اگر پھر ایسا کرو گے تو سب کے سامنے تمہیں ذلیل کروں گی اگر تم کو کچھ اپنی عزت کا پاس ہے تو پھر اِس کام کے پاس

نہ جانا۔ سات آٹھ برس کی عمر تک ہمیشہ مجھ پر ان باتوں کی تاکید رہی کہ کھانا کپڑا جیسا گھر میں ملا کرے۔ ویسا پہن لیا کرو۔ جن کو اچّھا کھانے اچھا پہننے کا لپکا پڑ جاتا ہے وہ بُرے وقت میں یا تو بھیک مانگتے ہیں یا چوری کرتے ہیں یا جوا کھیلتے ہیں۔ جب تک ایک نوالہ نِگل نہ لو دوسرے پر ہاتھ نہ دوڑایا کرو۔ کھانا کھانے میں کپڑا دال سالن سے نہ بھرنے پائے۔ بڑوں سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ لپکانا نہیں چاہیئے۔ جن باتوں سے اوروں کو نفرت آئے جیسے ہاتھ جھٹکنا۔ نوالہ کو زور زور سے چبانا۔ منہ کی چیز دسترخوان پر گرانی۔ زور سے ڈکار لینی۔ نوالہ منہ میں لیکر پھر برتن میں ڈالنا ایسی باتیں دسترخوان پر بیٹھ کر نہ کرنی چاہئیں۔ اِسی طرح کسی کی طرف تھوکنا۔ کِسی کے آگے ناک پاک کرنی۔ کسی کی طرف پیٹھ پھیر کر بیٹھنا۔ جو کوئی کچھ چیز دے اُس سے بے تکلّف لے لینا۔ کسی کے آگے ہاتھ پسارنا۔ کسی کی بات میں دخل دے بیٹھنا۔ بیہودہ بک بک کرنی۔ گالی دینی۔ جھوٹ بولنا۔ قسم کھانی۔ دوپہر کو سونا۔ صبح کو سویرے نہ اُٹھنا۔

اندھیرے میں بے ٹٹولے جھک جانا۔ دھوپ میں بیٹھنا۔ آگ سے تاپنا۔ آگا دیکھ کر نہ چلنا۔ بہت دوڑ کر یا بہت آہستہ چلنا۔ قدم جما کر نہ رکھنا۔ ننگے بدن رہنا۔ اِن باتوں سے روکتی رہتی تھیں۔ اور سب سے زیادہ بول چال کی غلطیوں پر ٹوکتی رہتی تھیں۔ اول تو مجھ کو یہ قاعدہ سکھائے کہ بڑوں سے کیونکر بولنا چاہیئے۔ اور چھوٹوں سے کیونکر گفتگو کرنی چاہیئے۔ مجھ کو ہمیشہ یہ تاکید تھی کہ تُو کہکے ادنیٰ حلال خوری سے بھی کبھی نہ بولنا۔ جب کہنا تم کہنا۔ اور بڑوں سے یا برابر کے نئے جان پہچان والوں سے آپ یا حضرت کہکر بولنا چاہیئے۔ اور جو شخص عمر یا رتبے میں برابر ہو اور اُس سے ایسی ہی بے تکلفی ہو تو چاہو آپ کہو چاہو تم کہو۔ اور بڑوں کے آنے کو تشریف لانا اور جانے کو تشریف لے جانا۔ اور بُلانے کو یاد کرنا۔ اور اُن کے مزاج کو مزاجِ مبارک یا مزاجِ عالی۔ اور اُن کے سلام کو تسلیم یا آداب یا کورنش یا بندگی۔ اور اُن کے گھر کو دولت خانہ۔ اور اُن کے کہنے کو فرمانا۔ یا

ارشاد کرنا۔ اور اُن کی اولاد کو صاحب زادہ یا صاحبزادی
اور اُن کے نام کو اسمِ مبارک۔ یا اسمِ سامی۔ یا اسمِ شریف
اور اُن کے وطن کو وطن مالوف کہنا چاہیئے۔ اسی طرح
اپنے آنے کو حاضر ہونا اور کہنے کو عرض کرنا۔ اور گھر کو
غریب خانہ۔ اور اولاد کو بندہ زادہ یا بندہ زادی کہنا
چاہیئے۔ اور اپنے تئیں ہم کہنا۔ اور اپنے نام کے ساتھ
سیّد یا شیخ یا مرزا لگانا بڑی بیوقوفی کی بات ہے۔
اِس کے سوا جب میری زبان سے کوئی غلط لفظ نکلجاتا
تو اُس کو صحیح کرکے بتادیتی تھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ
میرے منہ سے پھول والوں کی سَیل نکل گیا۔ اماں جان
نے جو سُنا۔ مسکرا کر کہنے لگیں۔ بٹیا! اِس شہر سے
اور ساری خوبیاں تو بہت دن سے جاچکی تھیں۔ ایک
لے دے کے ٹوٹی پھوٹی زبان رہ گئی تھی سو اُس کو بھی
تم کھویا چاہتے ہو۔ سنو! آج سے یہ بات یاد رکھو کہ
جب کوئی نیا لفظ کسی سے سُنا کرو۔ ہم سے پوچھ لیا کرو۔
کہ یہ لفظ صحیح ہے یا غلط ہے؟ بعض غلطیاں تو ایسی ہیں

جن کو جاہل اور بازاری لوگ ہی بولتے ہیں اور کوئی نہیں بولتا جیسے سیر کو سیل۔ مزاج کو مجاز۔ نسخہ کو نخسہ۔ کبوتر کو قبوتر۔ پتھر کو پھتّر۔ دروازہ کو دروزّہ۔ بازار کو بزار۔ محروم کو نامحروم۔ ناحق کو بے ناحق۔ اور ان کے سوا اور سینکڑوں لفظ ہیں۔ سو ان کا بولنا بڑے عیب کی بات ہے۔ اور بعض غلطیاں ایسی ہیں جو پڑھے لکھے اور اَن پڑھ سب کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں۔ جیسے تابعدار بادشاہت۔ خیراد۔ چاکو۔ بکرید۔ مُرغّن۔ شاباش۔ شابشی لاچار وغیرہ۔ سو ایسی غلطیوں کا کچھ مضائقہ نہیں۔ اِسکے سوا بہت سے اَچھوتے لفظ ایسے ہیں کہ عورتیں ہی بولتی ہیں مرد نہیں بولتے۔ جیسے نوج۔ دَور پار۔ چھائیں پھوئیں اب سے دُور۔ چل دَور۔ سدھارنا۔ مُوا۔ نچھل پائی۔ واری۔ اچھی۔ اُجڑا۔ مرنے جوگا۔ بھیّا۔ بھینا۔ نکھٹّو۔ جانہاک پنڈا[لہ]۔ بُوا۔ مَرْدُوا۔ رسنا بسنا۔ نگوڑا۔ جُھلسا۔ بھاڑ میں جائے۔ چولھے میں جائے۔ آگ لگو۔ درگور۔ بختاوری

لہ بدن۔

بودلی وغیرہ۔ دیکھو کبھی کسی کے سامنے ایسے لفظ بول اُٹھو۔ لوگ تمہیں تو کچھ نہیں کہنے کے۔ ہاں یہ کہیں گے کہ لڑکا ماں کی صحبت میں رہ کر بولی بھی عورتوں ہی کی بولنے لگا۔ غرض آدمی کو چاہیئے کہ سب سے پہلے اپنی زبان کو درست کرے۔ پھر اور زبانیں سیکھنے کا ارادہ کرے۔ نہیں تو وہی مثل ہوگی کوّا چلا ہنس کی چال اپنی بھی چال بھول گیا۔ بس اسکا قاعدہ یہی ہے کہ جب کسی سے کوئی نیا لفظ سنو پہلے یہ دیکھ لو کہ اِس شخص کے بولنے کی سند بھی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی اَن پڑھ یا بازاری آدمی ہے تو اُس لفظ کو جب تک کسی قابل آدمی کی زبان سے نہ سنو۔ کبھی زبان پر نہ لاؤ۔ اور سنو! کچھ زبان پڑھنے لکھنے سے دُرست نہیں ہوتی بلکہ دھیان رکھنے سے ہوتی ہے۔ جو پڑھے لکھے اِس کا خیال نہیں رکھتے ہمیشہ غلط لفظ بولتے ہیں اور جن کو یہ خیال رہتا ہے وہ اَن پڑھ ہوں یا باہر کے رہنے والے ہوں چند روز میں شہر کی زبان سیکھ جاتے ہیں۔ اِس کے سوا وقت بے وقت مجھ کو اور کام کام ہی

باتیں سکھاتی رہتی تھیں - جو لفظ عربی یا فارسی کے اردو میں بولے جاتے ہیں اُن کے معنی - عربی - انگریزی فارسی - ہندی مہینوں کے نام - سنہ ہجری عیسوی فصلی - بکرمی کی مفصل - جنتری سے تاریخ نکالنے کا طریقہ - چھوٹے بڑوں کے القاب - گھڑی گھنٹے کی کوک - اور سُوئیوں کا حساب - مقیاسُ الموسم - قطب نما - دُوربین - خُردبین - اِن سب چیزوں کے دیکھنے کا قاعدہ - نقشہ سمجھنے کا گر - اور اِسی طرح کی اور بیسیوں باتیں زبانی بتاتی رہتی تھیں - اِس کے سوا ایک بڑی بی بغداد کی رہنے والی اتفاق سے شہر میں آگئی تھیں - یہ عربی اور فارسی دونو زبانیں خوب بولتی تھیں - اور اُن کو منظور یہ تھا کہ اگر کوئی میرے کھانے کپڑے کا ذِمّہ کرلے تو یہیں رہ پڑوں - کیونکہ اوّل تو عمر زیادہ تھی - دوسرے وطن بہت دُور تھا - آگے چل کر خرچ کی ایک کوڑی پاس نہ تھی - انھوں نے یہ سمجھا کہ جو دن زندگی کے ہیں یہیں کاٹ دیجیے - شہر میں نواب ذوالفقار الدولہ کے ہاں

ٹھیری ہوئی تھیں - امّاں جان نے جو اُن کی تعریف سُنی ایک دن دعوت کے بہانہ سے اُن کو بلایا - دیکھا تو حقیقت میں اُن کی دونو زبانیں نہایت اچھی تھیں - امّاں جان نے اُن کے خرچ کا ذمہ کرکے اپنے ہاں رکھ لیا اور اُن کی ایسی خاطر داری کی کہ اُن کا بھی جی یہاں سے کہیں اور جانے کو نہ چاہا - وقت بے وقت جب مجھے اور کاموں سے فرصت ہوتی - اُن سے گفتگو کرنے بیٹھ جاتا اگرچہ میں نے عربی فارسی کچھ بہت نہیں پڑھی - مگر اُن کی صحبت میں مجھے یہ دونو زبانیں بولنی ایسی آگئیں کہ جس طرح اپنی بولی میں میری زبان کہیں نہیں رُکتی یہی حال ان دونو زبانوں میں ہے - خیر یہاں تک تو زبانی تربیت کا بیان ہوا - اب پڑھنے کا حال سُنیے - جب مجھ کو ساتواں برس لگا - اور ایک سیپارہ اور پنج سورہ میں حفظ کر چکا - امّاں جان نے مجھے اردو اور حساب شروع کرایا - نو برس کی عمر تک جس طرح اُنہوں نے مجھے تعلیم کیا اُس کی تفصیل بیان کرنے کو تو

ایک مدت چاہیئے مگر چند باتیں جن سے پڑھنے لکھنے میں میری لے روز بروز بڑھتی جاتی تھی وہ یہ تھیں کہ اول تو جس دن سے میں نے کتاب پڑھنی شروع کی۔ امّاں جان نے میرے کمرے میں پڑھنے لکھنے کے سامان کے سوا کچھ نہ رکھا۔ سارے کمرے میں یا کتابیں تھیں یا ملکوں کے نقشے دیواروں میں لگے ہوئے تھے۔ یا تختی۔ دوات۔ قلم کاغذ۔ سلیٹ۔ ابر مُردہ۔ پنسل۔ ربڑ۔ یہ چیزیں تھیں۔ یا لکھنے کی میز تھی۔ یا میرا پلنگ۔ اور اوڑھنا بچھونا۔ اور فتیل سوز۔ اور فرش۔ چاندنی تھی یا گھڑی گھنٹہ تھا۔ اِس کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ گویا وہ سارا کمرہ ہر وقت مجھے تعلیم کرتا رہتا تھا۔ اِس کے سوا جب امّاں جان نے مجھے پڑھانا شروع کیا تو دس پندرہ دن تک میرا جی پڑھنے میں جیسا چاہیئے ویسا نہ لگا۔ جب تک وہ بیٹھی پڑھائے جاتیں۔ میں بھی اُن کے خوف سے پڑھے جاتا۔ جہاں وہ اُٹھ کر کسی کام کو گئیں میں نے کھیلنا شروع کیا۔ اُنھوں نے میری لاگ بڑھانے کے لیئے غلام امام جو انّا کا

بڑا بیٹا تھا اُس کو بھی میرے سبق میں شریک کر دیا۔ وہ
مجھ سے عمر میں بھی بڑا تھا۔ اور اُس کا ذہن اور حافظہ بھی
بہت اچھا تھا۔ اب مجھ کو یہ فکر ہوئی کہ ایسا نہ ہو اس سے
کسی بات میں جھینپنا[۱] پڑے اور ایک دو بار جو اماں جان نے
پڑھنے میں اُسے شاباشی دی اور مجھے کچھ نہ کہا۔ اِس بات
سے میرے دل پر ایک اور چوٹ لگی۔ اب دم بدم میرا شوق
بڑھنا شروع ہوا۔ اِسکے سوا امتحان کی ایک ایسی کَر لگی
ہوئی تھی کہ خواہی نخواہی محنت کرنی پڑتی تھی۔ اماں جان کا
قاعدہ تھا کہ اتنا پڑھاتی نہ تھیں جتنا پوچھتی تھیں۔ اول تو
جس وقت سبق پڑھانے بیٹھتیں پہلے پانچ سات باتیں
پچھلے سبق کی ضرور پوچھ لیتیں۔ دوسرے رات کو جو
اُن لے بیٹھنے کا معمول تھا اُسمیں بھی اکثر سوال کرتی رہتی
تھیں۔ پھر جمعرات کا دن خاص امتحان ہی کے لیے مقرر
تھا۔ مگر سوال ایسے آسان کرتیں جن کے جواب دینے میں
ہم کو زیادہ دقت نہ پڑے۔ کیونکہ جس دن ہم امتحان میں

[۱] شرمندہ ہونا۔

یاد کرائیں کہ ہم پڑھتے پڑھتے ہلکان ہو جاتے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ امّاں جان نے مجھ سے پہاڑے یاد کرانے میں ایسی محنت لی تھی کہ مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ شاید ساری عمر مجھ سے یہی پہاڑے یاد کرائے جائیں گے ہم روز پانچ چار پہاڑے یاد کر کے سُنا دیا کرتے تھے مگر وہ یہی کہتیں۔ میاں! ابھی خوب زبان پر نہیں چڑھے اور یاد کرو۔ میں غلام امام سے کہا کرتا تھا کہ بھئی جس دن ان پہاڑوں سے پیچھا چھوٹے گا میں تو ایک آنے کے بتاشے بانٹوں گا۔ جب ہم کسی بات کا جواب غور سے نہ دیتے اور یونہیں واہی تباہی بک اُٹھتے تو کسی نہ کسی حکمت سے ہماری فکر پر زور ڈالتیں۔ کبھی کہتیں جو صحیح جواب دے دیگا اُسکو کل آدھے دن سے چھٹی مل جائیگی۔ کبھی کہتیں۔ جو اِس وقت ہمارا دل خوش کر دیگا ہم اُسکو ایک بہت اچھی چیز دیں گے۔ اور جب ہم خوب فکر کر کے ٹھیک بات بتا دیتے تو جو وعدہ تھا کر جاتے۔

سہمن نہیں ہیں

کیا تھا وہ پورا کر دیتیں اور یہ فرماتیں۔کیوں جی! اگر میں
لالچ نہ دیتی تو تم کاہیکو غور کرتے؟ ایک دن کا ذکر ہے کہ
ہم اُسی وقت باہر سے بھان متی کا تماشا دیکھ کر آئے
تھے۔ اماں جان نے آتے ہی ہم سے کچھ عدد لکھوائے
یہاں تو دھیان اُدھر لگا ہوا تھا لکھتا کون؟ خیر جُوں تُوں
کرکے کچھ لکھا۔ مگر ایک آدھ عدد کے سوا سب غلط لکھے
اُنہوں نے تین یا چار بار لکھوائے۔پھر بھی صحیح نہ ہوئے
اُنہوں نے کہا۔ لو بٹیا! جلدی سے یہ سب عدد لکھ لو تو
ہم تمہیں ایک بڑے مزے کی بات سنائیں۔ ہم نے فوراً
سوچ سوچ کر سب صحیح لکھ دیے۔ پھر میں نے کہا۔ امّاں
جان! وہ کیا بات ہے۔اب سنا دیجے؟ فرمایا۔بٹیا!
تم نے ماماں کو بھی جاکر دیکھا اُس کا کیا حال ہے؟ میں نے
کہا خیر تو ہے۔کیا ہوا؟ کہا۔تم اسوقت باہر تھے۔یہاں
کوٹھے پر مور ناچ رہا تھا۔ ماماں صاحب جو باورچیخانہ سے
گھی کی ہانڈی کوٹھڑی میں رکھنے چلیں۔ پیچھے پھر پھر کے
مور کو دیکھتی جاتی تھیں۔ آگے کہیں پنسیری پڑی تھی۔



ٹھوکر جو لگی چاروں شانے چت جا پڑیں۔ ہانڈی کی ہانڈی گئی۔ گھی کا گھی برباد ہوا۔ اپنے ہاتھ پاؤں میں چوٹ لگی سو جدا۔ ذرا ان کو جا کر دیکھو تو سہی۔ میں نے کہا۔ ماماں بھی نری احمق ہی ہیں۔ امّاں جان نے کہا۔ میاں! اُسی پر کیا موقوف ہے۔ آدمی جب ایک کام کرنے میں دوسری طرف دھیان رکھیگا۔ اُس کا یہی حال ہوگا۔ میں تم سے بارہا کہہ چکی ہوں کہ جب تم سے کوئی بات پوچھا کریں تو تم اُسی میں دھیان رکھا کرو۔ اُس وقت کھیل تماشے کا خیال چھوڑ دیا کرو۔ غرض قصّہ تو بہت طول طویل ہے۔ مگر خلاصہ یہ ہے کہ نو برس کی عمر میں اماں جان نے مجھ کو ایک سیپارہ اور پنج سورہ تو نوک زبان یاد کرا دیا۔ اور اردو عبارت پڑھنی اور سمجھنی مجھے ایسی آگئی جیسی چاہیئے۔ فارسی میں گلستاں بوستاں۔ مالا بد۔ اخلاقِ محسنی۔ عربی میں صرف نحو کے دو دو تین تین رسالے۔ حساب میں اربعہ متناسبہ اور کسور عام۔ اِس کے سوا جغرافیۂ ہندوستان۔ تاریخ ہند

یہ سب چیزیں مجھ کو پڑھا دیں - اس میں نستعلیق کی تمام تختیاں اور کچھ کچھ قطعے بھی میں نے صاف کر لیے۔ مگر مجھ کو جو امّاں جان نے اب تک مکتب میں نہیں بٹھایا تھا۔ اس لیے ہمارے سارے کنبے میں اس بات کا چرچا تھا کہ دیکھو میر امجد علی مرحوم کے لڑکے کو اُس کی اماں نے اب تک مکتب میں نہیں بٹھایا - آج کو میر صاحب جیتے ہوتے تو وہ کہیں کا کہیں پہنچتا - دیکھیے عورتوں کے پھندے میں جا پھنسا ہے - خدا ہی ہو جو یہ لڑکا پڑھ لکھ کر کسی قابل ہو - ہمارے مکان کے برابر دو مکان اور ملے ہوئے تھے - ایک میں تو دادی جان رہتی تھیں اور دوسرے میں پھپّی امّاں رہتی تھیں - دروازے تو تینوں مکانوں کے الگ الگ تھے مگر اندر کھڑکیاں لگی ہوئی تھیں - اِن میں سے عورتوں کی آمدورفت برابر رہتی تھی - دادی صاحب تو کدھی کدھار تشریف لے آتی تھیں مگر پھپّی اماں کا ایک پھیرا روز ہوتا تھا۔ اور اُن کی صاحبزادی خدیجہ خاتون جن کو میری مخدومہ

ہی نے پڑھایا لکھایا تھا۔ وہ جب اپنی سسرال سے
آتی تھیں سارے دن ہمارے ہی گھر رہتی تھیں۔ مجھے
خوب یاد ہے کہ میری عمر کچھ کم نو برس کی تھی اور رمضان
کا مہینا تھا کہ ایک دن پھپّی اماں ہمارے ہاں بیٹھی تھیں
اور آپا خدیجہ بھی اُس دن آئی ہوئی تھیں۔ باتوں باتوں
میں اماں جان سے کہنے لگیں۔ بُوا! سیّد کی کیا عمر ہوگی؟
انہوں نے کہا۔ بکرید کی اٹھارویں کو دسواں برس لگیگا۔
پھپّی اماں نے کہا۔ بی! میں جانتی ہوں۔ شاید تمہارا
ارادہ اِسے پڑھانے لِکھانے کا نہیں ہے؟ زمانہ کا
دستور ہے کہ جہاں بچہ کی بسمہ ہوئی اُسے مکتب میں
بٹھادیا۔ تمہارے بچے کو سلامتی سے اب دسواں برس
لگنے لگا ہے۔ تم نے آج تک اُسے اُستاد کی شکل
نہیں دکھائی۔ سچ تو کہو تمہارا ارادہ کیا ہے؟ کہیں اسکے
دشمنوں کو دور۔ پار جاہل رکھوگی؟ ہمارے گھرانے میں
تو آج تک کوئی جاہل نہیں ہوا تھا۔ اماں جان نے کہا
صاحب پڑھتا تو ہے۔ اور کس طرح پڑھا کرتے ہیں؟ اب

خدا کریگا اُس کو دسواں برس لگیگا تو مکتب میں بھی بٹھا دوں گی۔ پھپھی اماں نے بدمزہ ہوکر کہا۔ بُوا! تمہاری باتیں تو سارے جہان سے نرالی ہیں۔ اگر بچے گھروں ہی میں پڑھ لیا کریں تو اُستاد کے پاس کوئی کاہے کو بٹھائے۔ ہم نے تو کسی کے بچے اِسطرح پڑھتے سُنے نہیں۔ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ۔ وہ سلامتی سے پڑھتا کون سے وقت ہے؟ میں تو جب سنتی ہوں یہی سنتی ہوں کہ لڑکا ہوا خوری کو گیا ہے۔ نہا رہا ہے اصطبل میں کبڈّی یا گیند بلّا کھیل رہا ہے۔ کُشتی لڑ رہا ہے بچّوں کے ساتھ دوڑتا پھرتا ہے۔ بندوق کے نشانے لگا رہا ہے۔ گھوڑا پھیرنے گیا ہے۔ یا یہ سُنتی ہوں کہ گھر میں بیٹھا اماں جان سے کہانیاں سُن رہا ہے۔ یا بڑی بی کے ساتھ مغز زنی کر رہا ہے۔ اُسے کبھی مارتیں تم نہیں۔ دھمکاتی تم نہیں۔ بھلا یہ بھی کہیں پڑھنے لکھنے کے قرینے[1] ہوتے ہیں۔ صاحب!

---

[1] طریقے۔ ڈھنگ۔

بچّے کو جب تک چار پہر برابر اُستاد کی قید نہ رہے پڑھنا لکھنا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میرے نزدیک کل سے اُس کو مدرسے میں بھیج دیا کرو۔ بس بہت آوارہ رہ چکا۔ اتنی بھی ڈھیلی ڈور چھوڑنی اچھی نہیں۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ بھائی بہشتی کو عِلم کا کیسا شوق تھا؟ اس کی آوارگی سے اُن کے دشمنوں کی روح پر صدمہ ہوگا۔ یہ سُن کر امّاں جان مسکرائیں اور یہ کہا کہ باجی جان[۵۱]! اگر آپ اور میں اور میرا سینہ دس برس اور جیتے رہے۔ اور خدا کو بھی منظور ہوا تو اِس آوارگی کا ثمرہ[۵۲] دِکھا دوں گی۔ اگر آج کو تمہارے بھائی جیتے ہوتے تو میری محنت کی داد دیتے۔ آپ میری بڑی ہیں۔ میری بزرگ ہیں۔ آپ کا کہنا میرے سر آنکھوں پر۔ مگر گستاخی معاف! آپ کو اس میں تجربہ نہیں ہوا بچوں کا تعلیم کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ اِس میں جلدی کرنی اور دیر لگانی دونوں بُری۔ بچّے کو نہ بہت

۵۱ بڑی بہن ۵۲ پھل۔ نتیجہ۔

تنبیہ کرنی اچھی نہ بہت سر چڑھانا اچھا - نہ اُس سے اتنی محنت لینی چاہیئے کہ گھبرا اُٹھے - نہ ایسی مہلت دینی چاہیئے کہ آوارہ ہو جائے - بچّہ پڑھنے لکھنے کی طرف سے ایک وحشی جانور ہوتا ہے - اُس کو پرچانا اور قابو میں لانا کچھ ہنسی کھیل نہیں ہے - آپ بہت دور کیوں جائیں؟ یہ تو کل کی بات ہے کہ خدیجہ خاتون مجھ سے پڑھتی تھیں پانچ برس کی عمر سے میرے ہی طور پر تعلیم پاتی رہیں - آج خدا کے فضل سے ہماری ساری قوم کی لڑکیوں میں جسقدر علم اور آدمیت اور ہر ایک بات کا سلیقہ اِن میں ہے کسی اور میں ہو تو بتا دو؟ انہی سے پُوچھیے کہ میں نے اِن کو کون سے دن مارا؟ کون سے دن دھمکایا؟ تین چار گھنٹے کے سوا میں نے کبھی پڑھنے میں ان سے محنت نہیں لی - اور نہ آٹھ برس کی عمر تک میں نے اِن پر کسی طرح کی روک رکھی - وہ کونسا کھیل ہے جو یہ نہیں کھیلیں؟ پُھپّی امّاں نے کہا - بی یہاں میری بیٹی کا کیا ذکر ہے؟ یہ تو عورت ذات تھی - پڑھتی پڑھتی -

نہ پڑھتی نہ پڑھتی - ہمارے ہی کنبے میں سیکڑوں لڑکیاں اَن پڑھ ہیں - کیا دُور پار اُن کو کہیں بَر[۱] نہیں ملنے کا ؟ یا اُن کو کوئی مجلس میں نہیں بٹھانے کا ؟ پر بھلے مانس کا بیٹا خدا نہ کرے جو جاہل رہے - اور بُوا بُرا مانو یا بھلا مانو ہم نے تو اپنی یاد میں کوئی لڑکا ماں سے پڑھتا دیکھا نہیں - خیر اپنی اپنی سمجھ ہے - تمہاری سمجھ میں یُوں ہی آیا - اب تم کسی کا کہنا کاہے کو مانو گی ؟ امّاں جان نے کہا - سچ کہنا باجی جان ! جب خدیجہ خاتون پانچ چھ مہینے کی تھیں تو تم اُن کو گھٹی کیونکر پلایا کرتی تھیں ؟ کہا ، چمچواں سے پلاتی تھی اور کیونکر پلاتی ؟ امّاں جان نے کہا - جب یہ گھٹی پیتے پیتے رونے لگتی تھیں تو بھی آپ برابر گھٹی ہی پلائے جاتی تھیں ؟ کہا - بی جیسا زمانہ کا دستور ہے - تھوڑی دیر انّا کو دودھ پلانے کے لیے دے دیتی تھی - جب خاموش ہو جاتی پھر پلانے لگتی تھی - امّاں جان نے کہا اور اب جو کبھی

---

[۱] شوہر

اُن کے دشمن ماندے ہوتے ہیں۔ اب بھی اُنہیں ٹھنڈائی چمچوں ہی سے پلاتی ہو یا ایک ہی قدح بھرکر پلوا دیتی ہو؟ پھپّی اماں نے کہا۔ بُوا خیر ہے۔ میں کوئی دیوانی ہوں۔ جواب چمچوں سے پلواؤں؟ اماں جان نے کہا۔ بس یہی سمجھ لیجے۔ میرے نزدیک بچے کو علم پڑھانا اور کڑوی دوا پلانی برابر ہے۔ اسی لیے جبتک وہ علم کے فائدوں کو نہ سمجھے اُسکو تعلیم بھی اسی طرح دینی چاہیئے۔ جس طرح گھٹّی کو تھوڑا تھوڑا کر کے پلاتے ہیں۔ اور جس وقت اُس کا جی پڑھنے لکھنے سے گھبرانے لگے تو کھیل کود میں اُس کا دل بہلانا چاہیئے۔ اور میں نے تو اُس کے کھیلنے کا کوئی وقت ہی نہیں چھوڑا۔ یہی باتیں جو آپ کے نزدیک آوارگی میں داخل ہیں اگر مجھ سے پوچھیئے تو پڑھنے لکھنے سے بھی زیادہ مفید ہیں۔ آگے روز پانچ گھنٹے برابر پڑھتا ہے بڑی بی سے فارسی عربی بولنی سیکھتا ہے۔ رات کو جو میرے پاس گھنٹہ آدھ گھنٹہ بیٹھتا ہے اُس میں بھی

اس کا فائدہ ہی فائدہ ہے - اول تو میں اس سے یہی
پڑھنے لکھنے کی باتیں امتحان کے طور پر پوچھتی رہتی ہوں
اس کے سوا جو کوئی قصہ کہانی کہتی ہوں - اُس سے بھی
اس کو کچھ نہ کچھ نصیحت حاصل ہوتی رہتی ہے - آدمی کا
قاعدہ ہے کہ لاکھ اُس سے کسی بات کو کہو یا کسی
کام سے منع کرو اُس کے کان پر جوں نہیں چلتی -
اور جو قصے کہانیوں میں کسی چیز کی برائی یا بھلائی
سُنتا ہے تو اُس کے دل پر نقش ہو جاتی ہے -
مجھے یاد ہے کہ ایک دن امّاں جان نے میرے سامنے
یہ نقل بیان کی کہ ایک بھلے مانس کا لڑکا کہیں بیاہنے
چڑھتا تھا - اُس نے دو چار گھڑی کو کسی اپنے دوست کا
دوشالہ مانگ لیا - جب بیٹی والوں کے ہاں جا کر
برات اُتری - ایک آدمی نے پوچھا - کیوں صاحب!
دُولھا کون سے ہیں؟ جس سے دولھا نے دوشالہ
مانگا تھا - کہیں وہ بھی وہیں کھڑا تھا - کہا حضرت! دُولھا
تو وہ بیٹھے ہیں پر دوشالہ مانگے کا ہے - دُولھا

بیچارہ یہ بات سُن کر پانی پانی[1] ہوگیا اور دوشالہ
اُتار کر اُس کے حوالے کیا۔ اُس نے کہا بھئی اب کے تو
مجھ سے قصور ہوگیا۔ خیر اسے تو معاف کیجے۔ پر اب
ایسا نہیں ہونیکا۔ اور دوشالہ دولھا ہی کو پھر دیدیا
تھوڑی دیر میں ایک اور شخص اسی طرح پوچھتا ہوا
چلا آیا۔ اُس نے کہا صاحب! دولھا یہ بیٹھے ہیں اور
دوشالہ بھی اِنہیں کا ہے۔ دُولھا نے دوشالہ اُتار کر
پھینک دیا۔ اور کہا ایسے اوچھے کے احسان سے
خدا بچائے۔ اُس نے پھر مِنّت معذرت کرکے دوشالہ
دے دیا۔ تھوڑی دیر میں ایک تیسرا اور پوچھتا چلا آیا
اُس نے جلدی سے دوڑ کر کہا۔ حضرت! دُولھا تو یہ ہیں
اور دوشالے کا کچھ ذکر نہیں۔ آخر لاچار ہو کر دُولھا نے
اُس کا دوشالہ اُس کے حوالے کیا۔ اور پھر تمام عمر
اُس سے کوئی چیز نہ مانگی۔ جس دن سے میں نے یہ
نقل سُنی ہے احسان جتانے کو میرا کبھی جی نہیں چاہتا

---

[1] بہت شرمندہ ہوا۔

یہاں تک تو ہوا کہ اماں جان کی زندگی ہی میں ایک
دن رات کے وقت دس گیارہ بجے مغلانی کی بیٹی کو
پیاس لگی۔ اُس نے پانی مانگا۔ میں اُس وقت بیٹھی
سی رہی تھی۔ میں نے اُٹھ کر اُسے پانی پلا دیا۔ اماں
جان بھی کہیں اُس وقت جاگ رہی تھیں۔ صبح کو
جان بوجھ کر مجھ سے پوچھنے لگیں۔ کیوں جی! تم رات کو
بیٹھی سیا کیں[۱] اور انا کی بیٹی کو اُٹھ کر پانی نہ پلا یا گیا؟
میں نے اُن کی خفگی تو اُٹھائی مگر میرے منہ سے یہ نہ نکلا
کہ میں نے تو اُسی وقت اُٹھ کر پانی پلا دیا تھا۔ میں نے
کہا ایسا نہ ہو کہیں اس سے میرا اوچھا پن پایا جائے۔
جب اماں جان نے دیکھا کہ یہ اس خیال سے نہیں
کہتی۔ کہا بیٹیا! جب اپنے اوپر کسی طرح کا الزام آئے
وہاں احسان جتانا کچھ بری بات نہیں۔ ہے اور یہ کہکر
مجھے گلے لگایا۔ اور یہ جو آپ نے کہا کہ عورت ذات کو
پڑھنے لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اگر مجھ سے پوچھیے تو

---

[۱] سیتی رہیں۔

عورتوں کو مردوں سے بھی زیادہ پڑھنے لکھنے کی ضرورت ہے باجی جان! آپ کو میرے ہی سر کی قسم۔ جب بھائی جان کا خط آتا ہے اور اُس وقت کوئی پڑھنے والا گھر میں نہیں ہوتا تو آپ کا جی گھبراتا ہے یا نہیں؟ اور جو پہر دوپہر کوئی خط پڑھنے والا میسر نہ آئے اور اُس میں کوئی بات جلدی کی لکھی ہو تو کیسی مشکل پڑے؛ اگر مرد اَن پڑھ ہوگا تو بلا سے کہیں نہ کہیں جا کر پڑھوا تو لیگا ◆

آٹھویں مجلس

سیّد عباس کہتا ہے کہ میری مخدومہ نے پھپھی صاحب سے بحث تو اِس قدر کی۔ لیکن اگلے ہی دن اُن کی ناخوشی کے خیال سے مجھے اور غلام امام کو پڑھنے بٹھا دیا۔ ایک مولوی صاحب پُورب کے رہنے والے دلی میں فقہ حدیث پڑھنے کو آئے ہوئے تھے۔ اُن کی استعداد عربی میں تو بہت ہی اچھی تھی مگر فارسی میں بھی اُن کی اِنشا پردازی شہر میں مشہور ہو گئی تھی۔ پہلے تو امّاں جان نے اُن کے سپرد کیا اور پانچ روپیہ مہینا اور ایک وقت کا کھانا اُن کے لیے مقرر کر دیا۔ اور پانچ روپیہ مہینا اور ایک وقت کا کھانا اُن کو ایک اور جگہ سے ملتا تھا۔ اور دو ایک لڑکوں کو وہ بے تنخواہ بھی پڑھاتے تھے۔ غرض ہم پانچ چار لڑکے اُن سے پڑھتے تھے۔

میں نے اور غلام امام نے برس دن کے قریب ان سے
پڑھا۔ اِس عرصے میں عربی صرف ونحو کے دو تین رسالے
جو باقی رہے تھے وہ پڑھے۔ ایک آدھ کتاب فارسی میں
دیکھی۔ کچھ مسودہ لکھا۔ مگر جیسا امّاں جان کی تعلیم میں
میرا شوق اور استعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی وہ
بات یہاں بالکل نہ رہی۔ کیونکہ اول تو کوئی میرا ہم سبق
نہ تھا۔ جس کی لاگ پر کچھ پڑھنے میں تندہی کرتا۔
سب لڑکے اپنے اپنے سبق جُدا پڑھتے تھے۔ اور
غلام امام جو میرا شریک تھا بیچ میں چند روز کو بیمار ہوگیا تھا
پھر جو آیا تو اُس کا سبق مجھ سے کہیں پیچھے تھا۔ مولوی
صاحب نے اُس کو وہیں سے پڑھانا شروع کردیا۔
دوسرے امتحان کا بھی اُن کے ہاں دستور نہ تھا۔
اِس سے اور بھی ہم بے فکر رہتے تھے۔ اِس کے سِوا
تم جانتے ہو ہمعمروں کی صحبت بھی غضب ہوتی ہے۔
جب تک وہاں رہتے اشاروں سے باتیں کرتے رہتے
جب چُھٹّی ملتی تو تُرکمان دروازے پتنگ بازی کی سیر

دیکھنے چلے جاتے۔ آخر یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ہم کو بھی پتنگ اُڑانے کا شوق ہو گیا۔ آنہ دو آنے جو امّاں جان سودے کو دیتی تھیں۔ وہ بھی اسی میں صرف ہونے لگا۔ چند روز میں جو کچھ پڑھا لکھا تھا سب چوپٹ ہو گیا۔ مولوی صاحب نے بھی دیکھا کہ یا تو اس کا وہ حال تھا کہ مطالعہ بھی اچھا نکال لاتا تھا۔ سبق بھی روز یاد کر لیتا تھا۔ کبھی کبھی جو پچھلی پڑھی ہوئی کوئی بات پوچھی جاتی تھی۔ اُس کا جواب بھی خاصا دے دیتا تھا۔ یا اب روز بروز بگڑتا جاتا ہے۔ دو چار بار تو انہوں نے تنبیہ کی۔ مگر جب دیکھا کہ اِس کو کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ایک دن میرے پس غیبت ڈیوڑھی پر آن کر سارا حال ماماں کے ہاتھ امّاں جان کو کہلا بھیجا۔ اور پتنگ بازی کی بھی اُن کو کچھ خبر لگ گئی تھی یہ بھی ماماں سے کہدیا۔ امّاں جان نے ماماں سے کہا کہ جاؤ مولوی صاحب سے میرا سلام کہو اور یہ کہو کہ آپ جانتے ہیں اس کی عمر اب مار کھانیکی

ف بھول گیا۔

پس پشت یعنی پیٹھ پیچھے

نہیں ہے۔ سلامتی سے کوئی دن میں اب گیارھواں
سال لگنے والا ہے۔ دو تین برس میں اللہ رکھو جوان
ہوجائیگا۔ دوسرے اُس کو غیرت بھی بہت ہے۔
مجھے گھُرکتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ اگر مقابلہ کر بیٹھا
تو مشکل۔ اور جو دور پار کہیں چلا گیا تو اور زیادہ مشکل
پھر مجھے زندگی کاٹنی دشوار ہو جائیگی۔ مگر مجھے امید ہے
کہ جو میں کہوں گی وہ مان جائیگا۔ الٰہی! دُنیا ہو اور
میرا سیّد عباس ہو آج تک تو کبھی میرے کہنے سے
باہر نہیں ہوا۔ مگر زمانہ بہت نازک ہے آج کل
اولاد کو ماں باپ سے پھرتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ خیر
جس طرح ہوگا میں اُس کو سمجھاؤنگی۔ مگر جن
لڑکوں کی صحبت میں وہ بگڑا ہے اُن کا بندوبست آپکے ہاتھ ہے
یہ سن کر مولوی تو چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں جو گھر میں آیا تو اماں جان
کو اور دنوں سے زیادہ مہربان پایا۔ خفگی کا تو کیا ذکر تھا۔ اور
اُلٹی بات بات میں خاطرداری کرنے لگیں۔ میں نے کچھ اُڑتی سی
خبر سنی تھی کہ مولوی صاحب آج کچھ فریاد لے کر آئے تھے
لیکن اِن باتوں سے وہ کھٹکا بھی جاتا رہا۔ رات کو جب
سب کھانا کھا چکے اماں جان اپنے معمول کے
موافق بیٹھ کر کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں

اِس میں آپا خدیجہ بھی آگئیں اور میں تو پہلے ہی سے بیٹھا تھا۔ امّاں جان اُن سے کہنے لگیں۔ لو بی! تم روز کہا کرتی ہو کہ مجھے پہیلیاں بُوجھنی خوب آتی ہیں بھلا ایک ہماری پہیلی تو بُوجھ دو؟ اُنھوں نے کہا۔ فرمائیے؛ سمجھ میں آجائیگی تو بتا دوں گی۔ امّاں جان نے کہا۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ خدا کی پیدائش آدمی بھی ہے جانور بھی۔ اِن دونوں میں اچھا کون ہے؟ ابھی باجی جان جواب دینے نہ پائی تھیں۔ میں نے کہا کہ اماں جان! آپ کہیں تو میں بتاؤں۔ اُنھوں نے کہا۔ اچھا میاں تم ہی بتاؤ۔ میں نے کہا۔ آدمی اچّھا ہے۔ اُنھوں نے کہا۔ کیوں میاں! آدمی میں جانور سے کونسی بات سوا ہے؟ کیا جانور کے دیکھنے کو آنکھ نہیں؟ یا سننے کو کان نہیں؟ یا سونگھنے کو ناک نہیں؟ یا مزا چکھنے کو زبان نہیں؟ یا وہ اپنے دشمن کو نہیں پہچانتا؟ یا وہ اپنے ہم جنسوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتا؟ ہمارے نزدیک تو جو باتیں آدمی میں ہیں۔ وہی جانور

میں ہیں۔ میں نے کہا۔ جانور میں آدمی
کی سی سمجھ کہاں ہے؟ امّاں جان نے کہا۔ جانور تو
بات کو ایسا سمجھتا ہے کہ آدمی بھی نہیں سمجھتا۔
میں نے ایک کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک دریا پر
کچھ آدمی کشتی میں بیٹھے چلے جاتے تھے کہ ایک بارگی
طوفان آیا اور اُس کے زور سے کشتی ریتے میں
جا بیٹھی۔ اب وہاں سے اُن کے نکلنے کی کوئی سبیل
نہ تھی۔ ایک خدا کا بندہ دریا پر جا پہنچا۔ اُس کے ساتھ
ایک کُتّا تھا۔ اُس نے جو کشتی والوں کا یہ حال دیکھا
فوراً ایک چھوٹی سی لکڑی کُتّے کے منہ میں دے کر
کشتی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اُس کے اشارہ کو
سمجھ گیا۔ اور دریا میں کود کر پانی کو چیرتا ہوا کشتی کے
لگ بھگ جا پہنچا۔ مگر آگے دَھسن تھی۔ وہاں کیونکر
جاتا؟ اب کشتی والوں کا منہ تک رہا ہے اور یہ
جتا رہا ہے کہ اگر تم سے کچھ ہوسکے تو کرو۔ آخر اُنکی
سمجھ میں بھی آگئی۔ اُنھوں نے رسّی میں ایک لکڑی

باندھ کتے کی طرف پھینکی۔ اُس نے اپنے منہ کی لکڑی تو وہیں چھوڑی اور اُچک کر اُس لکڑی کو منہ میں تھام لیا۔ اور اُس کو کھینچتا ہوا کنارے پر پہنچا اور اپنے مالک کو دیدی۔ اب رسی کا ایک سرا تو اُس کے مالک نے تھام لیا اور دوسرا کشتی والوں نے کشتی میں مضبوط باندھ دیا۔ اور رسّی کے سہارے سے ایک ایک آدمی وہاں سے نکل آیا۔ سچ کہنا جس طرح وہ کُتّا اپنے مالک کے دل کی بات کو اور کشتی والوں کے منصوبے کو فوراً سمجھ گیا۔ اگر تم وہاں ہوتے تو تم بھی سمجھ جاتے؟ میں نے کہا۔ نہیں صاحب! یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اچھا ہم نے مانا کہ جانور بھی آدمی کی سی سمجھ رکھتا ہے۔ لیکن اُس میں آدمی کی سی محبّت اور وفاداری کہاں؟ امّاں جان نے کہا۔ بیٹا! بھلا کُتّے کی وفاداری تو مشہور ہے۔ اس کو تو سینکڑوں آدمی جانتے ہوں گے۔ مگر تم اس کو بھی جانے دو۔

تیتر کی بھی کچھ حقیقت ہے؟ ابا جان کسی انگریز سے سُنی ہوئی کہتے تھے کہ ایک شخص نے تیتر کو ایسا ہلا یا تھا کہ وہ جہاں جاہتا تھا اُڑ کر چلا جاتا تھا۔ اور پانچ پانچ چھ چھ دن کے بعد پھر اُسی کے پاس چلا آتا تھا۔ جب تیتر کا مالک بیمار ہوا اور اُس کی حالت غیر ہوئی تو تیتر نے سب دانہ پانی چھوڑ دیا۔ جب وہ مرگیا اور اُسے دفن کرنے کو لے چلے تو تیتر کا یہ حال تھا کہ بار بار اُس کے جنازہ پر قربان ہوتا تھا۔ جب لوگ اُسے گاڑ داب کر چلے آئے تو وہیں ایک سرو کا درخت تھا اُس پر رہنے لگا۔ جب بھوک لگتی تو وہاں سے اُڑ کر اُس کے گھر چلا جاتا۔ اُسکی ماں کچھ دانہ پانی اُس کے آگے ڈال دیتی۔ جہاں پیٹ بھرا پھر اُسی سرو کے درخت پر چلا آتا۔ آخر تین چار مہینے کے بعد وہیں مر رہا۔ بھلا اِس سے زیادہ اور کیا وفاداری ہوگی؟ میں نے کہا۔ اماں جان! خیر یہ بھی میں نے مانا۔ مگر آدمی میں اور ہزاروں

خوبیاں ایسی ہیں جو جانوروں میں نہیں۔ ہمارا سا
صبر اور استقلال اُن میں کہاں ہے؟ ہماری سی تمیز
اُن میں کہاں؟ ہم اپنے ہاتھ سے طرح طرح کی
چیزیں بناتے ہیں۔ کوئی جانور کی کاریگری تو دکھا دیجئے؟
ہمیں جہاں دشمن کا ڈر ہوتا ہے۔ وہاں اپنے بچاؤ
کے لیے کیسی کیسی تدبیریں کرتے ہیں۔ بھلا جانور بیچارے
یہ باتیں کیا جانیں؟ اِس کے سوا ہمیں جو کچھ سکھائے
سیکھ سکتے ہیں۔ جانور بھلا کیا سیکھے گا؟ اماں جان نے
کہا۔ یہ بھی غلط ہے۔ اِن میں سے کوئی بات ایسی
نہیں جو جانوروں میں نہ پائی جائے۔ خارپشت کے
بدن میں تم لکڑی چھو کر دیکھو وہ فوراً سمٹ کر گینڈ کی
صورت بن جائیگا اور جو چلتا ہوگا تو ٹھیر جائیگا۔ وہ جو
مثل مشہور ہے کہ ایک چُپ سَو کو ہرائے۔ سو یہ
بات ہم نے اسی میں دیکھی ہے۔ بیٹیا! اور صبر و استقلال
کسے کہتے ہیں؟ آگے تمیز کی جو پوچھو؟ تو گلہری کو
دیکھتے ہو کہ جب کسی پیڑ پر بیٹھ کر اُس کا پھل کھاتی ہے

تو پہلے کُتر کُتر کر اُسکا چھلکا اُتار ڈالتی ہے اور گودا کھالیتی ہے۔ کاریگری میں بھڑ اور مکڑی اور بیا تم سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ بھڑ کا سا چھتا اور بیئے کا سا گھونسلا اور مکڑی کا سا جالا تم سے ہرگز نہیں بن سکتا۔ مکڑی کو خدا نے یہ کیسی سمجھ دی ہے کہ جب کوئی بڑی مکھی اُس کے جال میں آپھنستی ہے اور وہ دیکھتی ہے کہ اُس کے تڑپنے سے جالا ٹوٹ جائیگا۔ تو وہ مکھی کے پاس سے جالے کے تاروں کو اپنے دانتوں سے کاٹ دیتی ہے مکھی فوراً نکل جاتی ہے۔ اور اپنے بچاؤ کی تدبیر تو جیسی جنگلی بطخ کرتی ہے ایسی کسی سے بھی نہیں ہوسکتی۔ میں نے سُنا ہے کہ جب یہ اکھٹی ہو کر اُڑتی ہیں اور کسی کھیت میں چُگنے کو اُترتی ہیں۔ تو پہلے اُسی کھیت کے گرد بیسیوں چکر لگالیتی ہیں۔ جب خوب دیکھ لیتی ہیں کہ یہاں کچھ کھٹکا نہیں ہے تو نیچے اُترتی ہیں۔ اور اُتر کر دو دو گھڑی منہ اُٹھائے ہوئے

چُپ چاپ اِدھر اُدھر دیکھتی رہتی ہیں۔ جب کہیں
کچھ آہٹ نہیں پاتیں تو جو بطخ اُن سب میں بڑی
ہوتی ہے وہ اُن کو کچھ ایسا اشارہ کرتی ہے کہ سب
قرینہ کے ساتھ کھیت میں پھیل جاتی ہیں مگر ایک بطخ
برابر چوکسی کرتی رہتی ہے اور ایک پاؤں سے
کھڑی رہتی ہے اور دانہ چگنے کے پاس نہیں جاتی
جب وہ اپنا پہرہ دے چکتی ہے تو جو بطخ اُس کے
پاس ہوتی ہے۔ زور سے اُس کو ٹھونگ ماردیتی ہے
اور جو وہ پہلی ہی ٹھونگ میں ہوشیار نہ ہوئی۔ تو
اُس کے پر گھسوٹ لیتی ہے۔ اور چلّانے لگتی ہے
جیسے کوئی فریاد کرتا ہو۔ پس اگر آدمی بھی اپنی
چوکسی کرے گا تو اِتنی ہی کرے گا۔ اور یہ جو
تم نے کہا کہ جانور آدمی کی برابر تربیت نہیں قبول کرتا
یہ تمہاری ناتجربہ کاری کی بات ہے۔ اِس بات میں
کتا اور گھوڑا کسی طرح آدمی سے کچھ کم نہیں۔
سدھے ہوئے کتّے اور گھوڑے نے ہزاروں جگہ

ایسے کام کیے ہیں کہ کیا کوئی شائستہ آدمی کریگا۔
— آخر جب ہم سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تو میں نے کہا۔ امّاں جان! پھر آپ ہی بتا دیجیے کہ آدمی اور جانور میں کیا فرق ہے؟ امّاں جان نے کہا۔ بیٹیا! آدمی اور جانور میں یہ فرق ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدمی کو وہ طاقت دی ہے کہ اگر چاہے تو اپنی عقل کے زور سے بڑھتے بڑھتے کہیں کا کہیں پہنچ جائے اور جانور بیچارہ اپنے جس حال میں ہے اُس سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ دیکھ لو مکڑی کا جالا اور بئے کا گھونسلا اور بھڑ کا چھتا۔ جہاں دیکھوگے اور جب دیکھوگے ایک ہی وضع کا پاؤگے۔ جو گھونسلا بئے نے حضرت نوح کی کشتی میں بنایا ہوگا اُس میں اور اب کے گھونسلوں میں بال برابر فرق نہیں۔ اور آدمی کا کمال عقل کی بدولت یہاں تک پہنچ گیا کہ اگر کوئی جنگلی آدمی دلّی کی جامع مسجد اور آگرہ کا تاج گنج دیکھ پائے تو بیشک اُس کو ایک

طلسمات کا عالم سمجھے۔ اِسی طرح بھینس یا ہاتھی جب دریا میں اُتریں گے۔ تیر کر اپنے سینہ کے زور سے جائیں گے۔ اور آدمی نے اپنی عقل کے زور سے طرح طرح کے پُل اور جہاز بنا کر دریا کا سفر ایسا آسان کر دیا کہ آنکھ بند کر کے جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اسیطرح گھوڑے کو جب بھوک لگیگی جنگل میں جا کر گھانس پھونس سے اپنا پیٹ بھر لیگا اور آدمی نے اپنے دل کی اُپج سے ایسے ایسے کھانے نکالے ہیں کہ اگر کوئی پہاڑی آدمی دلی اور لکھنؤ کے کھانوں کا مزہ چکھ لے تو انگلیاں چاٹتا رہجائے۔ بیٹا! ایک زمانہ وہ تھا کہ آدمی درختوں کے پتوں سے اپنا بدن ڈھانک کر زندگی کے دِن پُورے کرتے تھے اور ایک یہ زمانہ ہے کہ ایک سے ایک عجیب کپڑا ولایت سے چلا آتا ہے۔ آگے دنیا میں چاند اور سورج کی روشنی کے سوا اور کوئی روشنی کی چیز نہ تھی۔ پھر چراغ اور شمع اور کنول اور جھاڑ اور

فانوس نکلے ۔ اب سُنتی ہوں کہ کلکتے میں لندن کے
عقلمندوں نے ایک کارخانہ بنایا ہے ۔ وہاں سے
رات کو شہر کے ایک ایک مکان اور ایک ایک
دوکان میں خودبخود روشنی ہو جاتی ہے ۔ اور ہر ایک
مکان کو تمام رات روشن رکھتی ہے ۔ اور کتنا ہی
بڑا مکان کیوں نہ ہو اُس کے ایک ایک کونے میں
برابر پہنچتی ہے ۔ آگے چل کر انگریزی دیا سلائیونکو
دیکھو ۔ پہلے جب کہیں گھانس پھونس سے آگ
جلاتے تھے جب جاکر چراغ جلتا تھا ۔ اس کے بعد
گندک کی دیا سلائی نکلی ۔ اُس سے گھانس پھونس
کی ضرورت نہ رہی ۔ اب اِس دیاسلائی سے
آگ کی بھی حاجت نہ رہی ۔ دیاسلائی کو جہاں
بکس کے ڈھکنے پر رکھ کر ذرا گھسا فوراً دہک اُٹھی
پہلے لُو کا بچاؤ کہیں نہ تھا آدمی درخت کے
سایہ میں یا پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ کر دن کاٹ دیتے
تھے ۔ رفتہ رفتہ مکان بننے لگے ۔ اُن کی چھت اور

دیواروں سے ہوا کی کچھ روک ہوگئی۔ پھر لوگوں نے تہ خانے نکالے۔ اب خس کی ٹیٹاں اور چرخے کے پنکھے ایسے نکلے کہ جہاں لگادو وہیں جنت کی ہوا آنے لگے۔ پہلے گرم ولایتوں میں پانی ٹھنڈا کرنے کی کوئی چیز نہ تھی۔ ہر موسم میں جیسا پانی ہوتا تھا پی لیتے تھے۔ لوگوں نے سوچتے سوچتے شورہ نکالا۔ شورے میں ہلانے سے پانی ٹھنڈا ہونے لگا۔ پھر برف جمانے کی ترکیب نکالی۔ اور جاڑے کی برف سے گرمی اور برسات کے موسم میں کام لیا۔ مگر اس کا انتظام ذرا مشکل تھا۔ جبتک کوئی راجہ یا نواب یا بہت سے سوداگر مل کر اسکا کھٹکھٹا[۱] نہیں کرتے جب تک یہ کام نہیں چل سکتا اب ایک کل ایسی نکلی کہ ایک دفعہ ہزار پانسو کو خرید و۔ پھر جہاں چاہو اور جب چاہو۔ اور جتنی چاہو برف جمانو۔ پہلے رستہ کاٹنے کی کیسی دقت تھی۔

[۱] انتظام۔

گھوڑا - اُونٹ - چھکڑا - بہلی - رتھ - دن بھر میں پندرہ بیس کوس سے زیادہ نہ چل سکتی تھی - جہاں آدمی کو ہزاروں کوس کا سفر کرنا ہوتا تھا - وہاں سینکڑوں ہی روپیوں کا صرف بھی تھا - آدمی چلتا چلتا جُدا ہلکان[۵] ہو جاتا تھا - آگے رستے صاف نہ تھے - چور - اُچکے - ڈاکو - ٹھگ مسافروں کو لُوٹ لیتے تھے - بیس بیس کوس پانی کی ایک بُوند نہ ملتی تھی - اب دیکھو رستے کیسے صاف ہو گئے - چپے چپے کوئیں - نہریں - تالاب بنے ہوئے ہیں - رستہ لوٹنے والوں کا کہیں نام نہیں - پہلے کلکتے سے پشاور تک گھوڑوں کی ڈاک بیٹھی ہوئی تھی - آدمی آٹھ سات دن میں بے تکان ہزاروں کوس پہنچ جاتا تھا - اب اتنی دیر بھی نہیں لگتی - سنتی ہوں کہ ولایت میں ایک ریل گاڑی ایسی نکلی ہے جسمیں ایک لشکر رات دن میں آٹھ سو چالیس میل پہنچ سکتا ہے

[۵] پریشان - خستہ -

آگے کہیں خبر بھیجنی ہو تو وہ بات کی بات میں ہزاروں
کوس پہنچ سکتی ہے۔ سڑک کے کنارے پر جو تار
لگا ہوا ہے اُس میں خدا جانے کیا طِلسم[۱] ہے کہ جس طرح
اب میں اور تم باتیں کر رہے ہیں۔ اِسی طرح اس سے
ہزاروں کوس پر بیٹھے بات چیت کر سکتے ہیں۔
آگے رُڑکی کا حال جو سُننے میں آیا ہے۔ وہ تو کچھ
سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ جو کام سو کاریگروں سے
سارے دن میں نہیں ہو سکتا۔ وہاں ایسے ایسے
ہزاروں کام ایک چٹکی بجانے میں ہو جاتے ہیں۔
غرض جہاں تک غور کرو گے اِسی طرح کی ہزاروں
باتیں آدمی کی نکالی ہوئی دیکھو گے۔ یہ بات البتہ جانور
میں نہیں ہے۔ اب جو آدمی اپنی عقل سے کچھ کام
نہ لے۔ اور جس حال میں ہے اُسی حال میں خوش
رہے۔ اُس میں اور جانور میں کیا فرق رہا؟ بلکہ سچ
پُوچھو تو وہ جانور سے بھی گیا گزرا ہے۔ کیونکہ جانور میں تو

---

[۱] جادو۔

سرے سے عقل ہی نہیں جو اُس سے کچھ کام لے۔
اور اس کے زور سے قدم آگے بڑھائے۔ اور
آدمی جو عقل کے ہوتے ساتے ایک بھنور میں پھنس جائے
اور ہاتھ پاؤں مار کر باہر نہ نکلے اُس سے زیادہ نکما
کون ہوگا؟ اسی واسطے بزرگوں نے کہا ہے کہ
جس شخص کے دو دِن یکساں گذر جائیں اُس سے
زیادہ ٹوٹے میں کوئی نہیں۔ یعنی آدمی کو چاہیئے کہ
ہمیشہ عِلم و ہُنر سیکھنے میں قدم بڑھاتا چلا جائے۔ جو
آج معلوم ہے وہ کل نہ تھا۔ اور جو کل معلوم ہوگا وہ
آج نہیں۔ واری! بھلا آگے بڑھنا تو درکنار رہا۔
تم تو اور اُلٹے پیچھے ہٹتے جاتے ہو۔ آج تمہارے پیچھے
مولوی صاحب ڈیوڑھی پر آئے تھے۔ وہ کہتے تھے
کہ سیّد عبّاس نے جو کچھ پڑھا لکھا تھا سب بُھلا دیا
آگے سبق پڑھنے بیٹھتا ہے تو عبارت غلط پڑھتا ہے
مطالعہ میں ایک حرف نکال کر نہیں لاتا۔ بیٹا! اگر
پڑھنے لکھنے کا شوق نہیں تو کیا تمہاری غیرت بھی

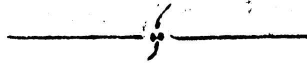
اُڑ گئی ؟ تم کو یہ شرم نہ آئی کہ آج تک مولوی صاحب نے
مجھے ہُوں سے تُوں نہیں کیا۔ لڑکوں میں میری
بات بنی ہوئی ہے۔ اگر مولوی صاحب کو غصہ آگیا
اور ہاتھ اُٹھا بیٹھے یا کچھ منہ سے بُرا بھلا کہہ اُٹھے
تو میری کیسی شیخی کرکری ہو جائے گی ؟ تم کو یہ خیال
نہ آیا کہ میرے بڑوں میں آج تک کوئی جاہل نہیں ہوا
اگر میں نے چار حرف نہ سیکھے تو لوگوں کو کیا منہ دکھاؤنگا
تم نے یہ نہ سمجھا کہ چار برس کی عمر سے جو میری ماں
میرے پیچھے جان کھپا رہی ہے اُسکی محنت کیسی
اکارت[۵] جائیگی ؟ تم نے یہ نہ دیکھا کہ اب کوئی دنیں
میرا بیاہ ہونیوالا ہے اگر اَن پڑھ رہ گیا تو کنبے میں
اپنی بیٹی کون دے گا ؟ غرض امّاں جان کی اِن
باتوں سے میرا یہ حال ہوا کہ شرم کے مارے زمین
میں گڑ گیا۔ اُس وقت تو مجھ سے کوئی بات بَن نہ آئی
مگر اگلے دن جب مولوی صاحب کے ہاں جانے کا

---

[۵] بیکار۔ ضائع۔

وقت آیا تو میں نے امّاں جان سے ہاتھ باندھ کر
عرض کیا کہ اگر آپ کو یہ منظور ہے کہ مجھے کچھ آجائے
تو سرکاری مدرسے میں بٹھا دیجیے۔ اگر پھر پڑھنے
میں قصور کروں تو جو چاہیے سزا دیجیے۔ امّاں جان
کو یہ بات پسند آئی۔ اُسی دن مجھ کو مدرسے میں
بھجوا دیا۔ اب میرا یہ معمول ہو گیا کہ صبح سے نو بجے
تک تو مولوی صاحب سے عربی اور فارسی پڑھتا
اور اسی میں مسودہ بھی لکھتا۔ نو بجے گھر میں آکر
کھانا کھاتا۔ دس بجے مدرسے چلا جاتا۔ اتوار کے
دن مجھے امّاں جان نے صبح سے دس بجے تک تو
شکار کی اجازت دے رکھی تھی۔ اور دو بجے سے
پانچ بجے تک دریا پر جا کر اسلام بیگ سے تیرنا
سیکھتا تھا۔ پندرہ برس کی عمر تک میرا یہی قرینہ
رہا۔ ریاضی۔ طبیعی۔ جغرافیہ۔ تاریخ۔ انگریزی حاصل کی
اور فارسی میں شاہنامہ۔ سکندرنامہ۔ آئینِ اکبری
وغیرہ۔ اور عربی میں ایک ایک دو دو کتاب فقہ۔ حدیث

تفسیر کی - اور الف لیلہ اور نفحۃ الیمن اور تاریخِ تیموری
وغیرہ ادب میں مولوی صاحب سے پڑھی - اور
فارسی کی عبارت لکھنی بھی اُنہیں سے سیکھی - غرض
جو کچھ مجھے آتا ہے یہ آسی پانچ برس کی کمائی ہے -
اور اگر سچ پُوچھیے تو سب امّاں جان کا صدقہ ہے ◆



نویں مجلس

آتوجی کا بیان

کہتے ہیں کہ سیّد عباس سولھویں برس میں تھا کہ اُسے مدرسہ چھوڑنا پڑا۔ بات یہ تھی کہ زبیدہ خاتون کے چچا خواجہ کمیل جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ بہت مدت سے اُن کی کچھ خیر خبر معلوم نہ تھی تیس پینتیس برس کی عمر میں وہ دِلّی سے نوکری چھوڑ کر کہیں کو چلے گئے تھے۔ اب آکر یہ خبر لگی کہ اُن کا بیٹا خواجہ ہُذَیل نام اورنگ آباد دکن میں موجود ہے۔ یہ خبر کچھ ایسی تحقیق نہ تھی۔ مگر زبیدہ اس کے سنتے ہی بیقرار ہوگئی۔ لوگوں نے ہرچند سمجھایا کہ ایسی ایسی خبروں پر یقین لانا دانائی سے بعید ہے۔ لیکن لہو کا جوش کب مانتا تھا۔ آخر یہ ارادہ ٹھیرا کہ سیّد عباس کو اورنگ آباد

بھیجنا چاہیئے - سارا کنبا سمجھا کر بیٹھ رہا کہ پندرہ برس کی جان کو کالے کوسوں بھیجنا کسی طرح مناسب نہیں ہے زبیدہ خاتون نے ایک نہ مانی اور یہ کہا کہ یہ تو اس کے سفر کا ایک بہانہ ہو گیا ہے - اگر یہ بات پیش نہ آتی تو بھی میں اُس کو شہر میں ہرگز نہ رکھتی ضرور کسی نہ کسی طرف بھیجتی - کیونکہ آدمیّت سی چیز شہر کی چار دیواری میں کہیں نہیں آسکتی - بیشک اُس کے مدرسہ چھوڑنے کا مجھے بھی افسوس ہے - مگر پھر جو دیکھتی ہوں تو کچھ افسوس کی بات نہیں - سفر آدمی کا سب سے بڑا اُستاد ہے - گویا میں اُس کو ایک مدرسے سے اُٹھاتی ہوں اور دوسرے میں بٹھاتی ہوں - یہ کہا اور سفر کی تیاری شروع کی - چند روز میں سب سامان لیس[۱] کرکے بیٹے کو روانہ کیا غلام امام اُس کی انّا کا بیٹا - اور اسلام بیگ بندوقچی یہ دونو آدمی اُس کے ساتھ کیے - اور چلتے وقت یہ

[۱] تیار -

بھیجنا یا مہیّا

کہہ دیا کہ اگر خواجہ ہذیل اورنگ آباد سے کہیں چلے
گئے ہوں تو اُن کو اور شہروں میں بھی تلاش کرنا۔ اور
جہاں کہیں ملیں فوراً اُنہیں ساتھ لے کر چلے آنا۔ غرض
سید عباس اورنگ آباد پہنچا۔ تینوں آدمی ایک
سرائے میں جا ٹھہرے اور خواجہ ہذیل کو شہر میں
ڈھونڈنا شروع کیا۔ کئی دن کے بعد یہ معلوم ہوا کہ
اسی نام کا ایک شخص یہاں آیا تھا مگر بیس بائیس دن
ہوئے کہ یہاں سے ایک قافلہ حج کو گیا ہے۔ وہ بھی
اُس کے ساتھ چلا گیا۔ سید عباس نے اُسی وقت
حج کا ارادہ کر لیا۔ نقدی اور ضروری کپڑے کے سوا
ایک ایک گھوڑا اور ایک ایک بندوق اور رہنے دی
اور باقی تمام اسباب وہیں نیلام کر کے سیدھے بمبئی کو
ہو لیے۔ چلتے وقت جو انہوں نے حساب کیا تو ابھی حج
کے موسم میں چھ سات مہینے باقی تھے۔ سید عباس نے
کہا۔ بھئی سو دو سو کوس کا پھیر پڑے تو پڑے
لیکن بڑے بڑے شہر جو تیس تیس چالیس چالیس کوس

رستے سے بچے ہوئے ہیں اُن کو بھی ساتھ کے ساتھ
دیکھتے چلو۔ پھر خدا جانے ادھر آنے کا اتفاق ہو یا نہ ہو
اگر خدا کو منظور ہے تو حج کے موسم میں ماموں جان سے
جا ملیں گے۔ غرض وہ اور غلام امام اور اسلام بیگ
تینوں بمبئی کی سڑک سے اُتر کر بائیں ہاتھ کو ہو لیے
دن بھر چلتے۔ شام کو کہیں آبادی دیکھ کر اُتر پڑتے۔
دو ڈیڑھ مہینے تک اسی طرح دائیں بائیں پھرتے رہے
جب پھرنے سے خوب جی بھر گیا تو بمبئی کا رستہ لیا۔
اس راہ میں عجب واردات گذری۔ دو تین دن سے
ایک ندی اُن کے بائیں ہاتھ پڑتی تھی۔ جانا تو اُس کے
پار تھا مگر پار اُترنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ ایک روز چلتے
چلتے جب پہر دن آیا تو کنارے کی زمین کچھ نرم نرم
آنی شروع ہوئی۔ اوپر سے تو بالکل خشک معلوم
ہوتی تھی مگر جہاں گھوڑوں کے قدم پڑتے تھے وہاں سے
گیلی مٹی نکلتی تھی۔ لیکن انہوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ اسیطرح منہ اُٹھائے[۱]

[۱] بے پرواہی کے ساتھ۔

چلے گئے۔ دفعتہً سید عباس کا گھوڑا دھسن میں جا پھنسا
ایک ایک بالشت اُس کے پاؤں زمین میں دھس گئے
مگر گھوڑا نہایت جاندار تھا ہُمک[1] کر نکل گیا۔ آگے اور
زیادہ دھسن تھی۔ اب کے گھٹنوں تک جا رہا۔ اسلام
بیگ اور غلام امام نے تو یہ نقشہ دیکھ کر اپنا گھوڑا
وہیں روک لیا۔ سید عباس کا گھوڑا دوسری بار پھر
ہُمکا۔ اور چاروں پتلیاں جھاڑ کر آٹھ دس ہاتھ پرے
جا اُترا۔ لیکن اب کے جو پھنسا پھر نہ نکل سکا۔ انہوں نے
اپنے دل میں کہا کہ گھوڑے کا نکلنا تو معلوم۔ مگر کسی طرح
سید عباس کو نکالنا چاہئے۔ وہاں سے تھوڑی دُور
ایک آبادی نظر آتی تھی۔ دونو نے سید عباس کی
خاطر جمع کر کے گھوڑوں کی باگ اُٹھا دی اور جھٹ پٹ
اُس آبادی میں پہنچکر وہاں سے پانچ سات آدمی اور
کچھ رسّے اور بلّیاں وغیرہ ساتھ لیں اور ندی پر آئے۔
یہاں آکر جو دیکھا تو نہ سید عباس ہے۔ نہ کچھ گھوڑے کا

---

[1] اوپر کو زور لگا کر۔

پتا ہے۔ مگر ایک کپڑوں کا تھیلا اور کچھ اور اسباب
اِدھر اُدھر پھیلا پڑا ہے۔ اُس کو جاکر جو دیکھا تو سیّد
عباس ہی کا اسباب ہے۔ مگر اسباب والے کا کہیں
نشان نہیں۔ دونو اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ وہی لوگ
جو اُن کے ساتھ آئے تھے اُنہوں نے کہا تم کیا دیکھتے ہو
بس اپنے رفیق سے ہاتھ اُٹھاؤ۔ اِس دھسن میں سے
ہم نے تو آج تک کوئی اُبھرتا دیکھا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے
کہ سوار اور گھوڑا دونو یہیں رہے۔ اور ہم نے تو تم سے
اُسی وقت کہدیا تھا کہ جب تک ہم وہاں پہنچیں گے
گھوڑے اور سوار کا پتا بھی نہیں ملنے کا۔ اُن کا یہ کہنا تھا
کہ اِن کے چھکّے چھُوٹ گئے اور ہوش و حواس بالکل
جاتے رہے۔ اِسلام بیگ تو پھر بھی کسی قدر سنبھلا رہا
پر غلام امام آخر بچہ ہی تھا بے اختیار پھُوٹ کر رونے لگا۔
آخر روتے روتے غش آگیا۔ اُسی حال میں اسلام بیگ
اُسے آبادی میں لے گیا۔ بارے وہاں جاکر کچھ ہوش
آیا۔ لیکن کیسا ہوش اور کیسے حواس؟ دو گھڑی چُپ

ہو رہتا تھا پھر جب سید عباس یاد آتا تھا۔ آپے سے
باہر ہو جاتا تھا۔ اِدھر اسلام بیگ کو یہ فکر تھا کہ اب
بیگم صاحب کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے؟ غرض کہانتک
کہوں اگلے دن دونوا پنا سارا اسباب گاؤں والونکو
دے دلا کر دم نقد[له] وہاں سے چلدیے۔ اور جی میں یہ
ٹھان لی کہ وطن اور گھر بار سے ہاتھ اُٹھائیے۔ اور
ساری عمر فقیری میں کاٹ دیجیے۔ برس دن تک
یونہیں مارے مارے اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔ آخر
ایک قافلہ حج کو جاتا تھا اُس کے ساتھ ہولیے۔ تین
مہینے اُس کے ہمراہ رہے۔ چوتھے مہینے جب حج اور
زیارت سے فراغت پا چکے تو جی میں یہ آیا کہ روم میں
چل کر چند روز وہاں بسر کیجے اُس وقت اُن کے
پاس خرچ کی ایک کوڑی تک نہ تھی مگر خدا کی
ذات پر بھروسا کر کے اُسی طرح چل نکلے۔ رستے میں
بڑی بڑی سختیاں اُٹھائیں۔ آخر جُوں تُوں کر کے

[له] بغیر اسباب و سامان کے۔

استنبول میں پہنچے۔ تین چار مہینے وہاں رہے۔ اگرچہ وہاں کوئی جان پہچان نہ تھا لیکن اُس شہر میں اُن کا جی کچھ ایسا لگ گیا کہ کسی طرح اُس سرزمین کے چھوڑنیکو دل نہ چاہا۔ ایک دن دونو بازار میں بے خبر چلے جاتے تھے دیکھتے کیا ہیں کہ سامنے سے ایک لڑکا نوجوان عربی گھوڑے پر سوار گھوڑے کو دُلکی کیے چلا آتا ہے۔ جب قریب آیا تو اُن کو دیکھتے ہی گھوڑے سے کُود پڑا۔ اور گھوڑا سائیس کو دے کر دونو سے آکر لپٹ گیا۔ یہ جو دیکھتے ہیں تو صورت شکل سب سیّد عباس کی سی ہے مگر دل میں سوچتے ہیں کہ ہم کہاں اور سیّد عباس کہاں ؟ آخر جب پُوچھا اور اُس نے اپنا نام سیّد عباس بتایا۔ پھر تو اُن کا یہ حال ہوا کہ دونو کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ بارے[۱] سیّد عباس اُن کو تسلّی دلاسا دے کر اپنے مکان پر لے گیا۔ مکان کو جو جا کر دیکھتے ہیں تو بالکل امیرانہ ٹھاٹھ[۲] ہیں۔ اصطبل میں چار گھوڑے بھی

---

۱ غرض۔ آخرکار ۲ سازوسامان

بندھے ہیں۔ دو تین گاڑی بگّیاں بھی کھڑی ہیں۔ نوکر چاکر۔ خدمتگار۔ باورچی۔ خانساماں۔ سب اپنے اپنے کام پر مستعد ہیں۔ آگے رہنے کا مکان بھی نہایت پُر تکلّف ہے۔ میز۔ کرسی۔ کوچ۔ مسہری۔ جھاڑ۔ فانوس سب کچھ موجود ہے۔ اب یہ حیران ہیں کہ الٰہی یہ خواب ہے یا بیداری ہے؟ غرض وہاں پہنچتے ہی اول اُنھوں نے یہ پوچھا کہ تم دھسن میں سے کیونکر نکلے؟ اُس نے کہا تم تو وہاں گھوڑے دوڑا کر آبادی کی طرف گئے اور یہاں میرا گھوڑا دھسن میں اُترنا شروع ہوا۔ جب گھوڑا سینے تک دھس گیا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ بس گھوڑے سے ہاتھ اُٹھاؤ۔[۱] نہیں تو اب کوئی دم میں تم کو بھی لے بیٹھتا ہے۔ یہ کہکر وہیں میں اُسکی کمر سے جدا ہوا۔ مگر میں نے دھسن پر اپنا پاؤں نہیں ٹیکا۔ نہیں تو میں بھی وہیں رہتا۔ میں نے کیا کیا کہ جو کچھ اسباب میری کمر میں لگا ہوا تھا وہ تو

ف۱ ناامید ہو جانا چاہیئے۔

جلدی جلدی کھول کر خشکی میں پھینکا - اور ایک
ہاتھ میں بندوق لی اور گھوڑے کے پُٹھے پر سے پھسل کر
دھسن میں چت آکر پڑا - اس سے میرا سارا بوجھ ایک ہی
جگہ نہ رہا بلکہ دور تک پھیل گیا - سخت زمین جہاں تم نے
اپنے گھوڑے روکے تھے وہاں سے پچیس تیس قدم
ہوگی - اب میں نے ہاتھ تو پھیلا لیے اور وہاں سے
لوٹتا لوٹتا خشکی تک جا پہنچا - مگر بیچ میں جہاں ذرا سی
دیر بھی ٹھیر جاتا تھا وہیں دھسنے لگتا تھا - مگر خدا نے
مجھے اُس وقت ایسی پھرتی دی کہ لوٹ پوٹ کر باہر
نکل ہی آیا - کپڑے تمام گارے میں لت پت ہوگئے تھے
میں نے کہا - اتنے تم آبادی سے اُلٹے پھر کر آؤ میں
ندی پر چل کر کپڑے دھولوں اور نہا بھی لوں - اسباب تو
وہیں چھوڑا اور بندوق ہاتھ میں لے کر ندی پر آیا -
ندی کو جو آکر دیکھتا ہوں تو اس زور شور سے جاتی ہے
کہ اُس میں گھستے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے - بات
یہ ہے کہ وہاں کی زمین کچھ نیچی تھی - اِس لیے پانی

بہت زور سے آتا تھا۔ مگر یہ لڑکپن بھی آدمی کو خراب کرتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تیرنا تو مجھ کو خوب آتا ہی ہے۔ پانی اگر ایسا ہی زور کرے گا کوس آدھ کوس بہالے جائیگا۔ پھر نکل آؤں گا۔ خدا نے چاہا تو ڈوبنے کا نہیں۔ یہ سوچ کر کپڑوں سمیت ندی میں کود پڑا۔ مگر پانی کے ریلوں نے ہوش بھلا دیے سات آٹھ کوس تک تو مجھے دم نہ لینے دیا۔ آخر جب کچھ پانی کا زور گھٹا اور میرے اوسان ذرا درست ہوئے تو پرلا کنارا وہاں سے بہت قریب تھا۔ خدا خدا کرکے وہاں پہنچا اور جناب باری کا شکر ادا کیا کہ اُس نے دو بلاؤں سے نجات دی۔ مگر اب یہ سوچتا ہوں کہ تم سے ملوں تو کیونکر ملوں؟ اپنے میں تو اتنا دم نہیں پاتا کہ پھر پانی میں اُتر کر ندی کے پار جاؤں اور پُل یا کشتی کہیں نظر نہیں آتی۔ اسی تردد میں وہاں بیٹھا ہوا کپڑے سکھا رہا تھا۔ جب کپڑے سوکھ گئے تو کنارے ہی کنارے ناؤ کی تلاش میں چلا۔ مگر کہیں

ناؤ نہ ملی۔ لاچار جب شام ہو گئی تو وہاں سے کوس آدھ کوس پر کچھ آبادی سی تھی وہاں چلا گیا۔ رات وہاں بسر کی۔ صبح کو اُٹھ کر پھر ندّی پر آیا۔ اور خدا کا نام لے کر پانی میں کود پڑا۔ یہاں پانی کا کچھ ایسا زور نہ تھا اور ندّی کا پاٹ بھی کچھ بہت چکلا نہ تھا۔ تھوڑی سی دیر میں اس پار اُتر آیا۔ مگر جہاں تمہیں چھوڑا تھا۔ وہاں میں اور یہاں میں اب کوسوں کا فرق پڑ گیا۔ نو دس کوس تک تو مجھ کو پانی ہی بہا کر لے گیا تھا۔ پانچ سات کوس ناؤ کی تلاش میں بھی گیا ہوں گا۔ غرض صبح سے چلتے چلتے پانچ بجے شام کے قریب وہیں پھر پہنچا پہلے تو دائیں بائیں تم کو دیکھا۔ جب کہیں پتا نہ ملا تو اپنے اسباب کو جا کر ڈھونڈا۔ اُس میں سے بھی کوئی چیز نہ پائی۔ پھر ندّی کے اُسی کنارے پر جہاں اول کپڑے دھونے گیا تھا وہاں پہنچا۔ وہاں میری بندوق اُسی طرح رکھی ہوئی تھی جسطرح میں چھوڑ کر گیا تھا۔ اُس کو وہاں سے اُٹھا کر وہی آبادی جہاں تم گھوڑا

دوڑا کر گئے تھے۔ اُس میں پہنچا۔ وہاں کے لوگوں سے تمہارا اتنا پتا لگا کہ وہ ایک رات یہاں ضرور رہے تھے پھر خبر نہیں کدھر کو چل دیے۔ میں پانچ سات روز تک تو تم کو اُسی نواح میں ڈھونڈتا رہا۔ لیکن جب کہیں سُراغ[۱] نہ پایا تو مایوس ہو کر بمبئی کا رستہ لیا۔ میری جیب میں جو پانچ سات روپے رہ گئے تھے۔ بس وہی تو سمجھ لیجے۔ اِس کے سوا روپیہ پیسا جو کچھ تھا سب اُسی اسباب کے ساتھ گیا۔ صرف میں تھا اور میری بندوق تھی یا خدا کی ذات کا سہارا تھا۔ مگر مجھ کو اللہ کی عنایت سے نہ کسی کی التجا کرنی پڑی نہ کسی سے کچھ مانگنا پڑا۔ یہی چار پیسے جو میرے پاس بچ رہے تھے اُس میں سے دو جوڑے تو میں نے کپڑوں کے بنوا لیے تھے۔ اور کچھ گولی۔ چھرّہ۔ بارود اور ٹوپیاں خرید لی تھیں۔ اور دو ایک چقماق کی پتھریاں لے لی تھیں۔ کچھ نمک باندھ لیا تھا۔ ایک



۱ پتہ۔

جا کو مول لے لیا تھا۔ رستے میں جہاں بھوک لگتی
ایک آدھ جانور مار لیتا اور اُس کے کباب کر کے
کھا لیتا۔ شام کو اگر کوئی آبادی آجاتی تو وہاں
ٹھیر جاتا اور نہیں تو کچھ اس کی بھی پروا نہ تھی۔
جنگل ہی میں پڑا رہتا۔ آخر جوں توں کر کے بمبئی
پہنچا۔ وہاں میرے پاس اور خرچ تو کیا تھا ایک
بارود چھرّہ تھا سو وہ بھی تمام ہو چکا۔ میں نے اپنی
بندوق پچاس روپے کو دے ڈالی اور ایک دوکائیں
جا ٹھیرا۔ دو چار کپڑے عزت کے بنوائے۔ ایک خدمتگار
نوکر رکھا۔ اور اپنی حیثیت درست کر کے وہاں کے
عمدہ لوگوں سے ملنا شروع کیا۔ وہاں شیخ فاروق
نامی ایک تاجر یمنی بہت بڑے دولتمند ہیں۔ اور
اُن کے اخلاق اور علم و فضل بھی وہاں ایک ایک کے
زباں زد تھے۔ رفتہ رفتہ وہاں بھی پہنچا۔ اُنہوں نے
میری بہت خاطر داری کی۔ اور چلتے وقت بہت
تاکید سے کہدیا کہ جب تک یہاں رہو ہم سے ضرور



ملتے رہنا اور میرا پتا نشان بھی سب پوچھ لیا۔ شام کو دیکھتا کیا ہوں کہ اُن کا آدمی کھانے کا خوان مزدور کے سر پر رکھوائے لیے چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پُوچھتا پُوچھتا میرے ہی پاس آن پہنچا۔ اور مجھ کو اپنے سامنے کھانا کِھلوا کر چلتے ہوئے یہ کہہ گیا کہ آپ جب تک یہاں رہیں اپنے لیے کھانا نہ پکوائیں۔ کھانا آپ کے لیے دونو وقت وہیں سے آیا کرے گا۔ جب میں نے اُن کی طرف سے اِس قدر مدارات دیکھی۔ اب تو مجھے اُن کے ہاں روز جانا پڑا۔ اگلے دن جو وہاں جانے کا اتفاق ہوا تو وہ اُس وقت ایک تین نگینے زمرد کے ہاتھ میں لیے بیٹھے تھے اور اپنے داروغہ سے یہ پُوچھ رہے تھے کہ یہاں کون کون سے آدمی مُہر کھودنے میں اُستاد ہیں؟ میں نے کہا۔ آپ کو کیا کھدوانا منظور ہے؟ اُنھوں نے کہا یہ تینوں نگ میرے پاس زبید سے آئے ہیں۔ اور جنھوں نے

یہ بھیجے ہیں اُن کا نام حسن اور اُن کے چھوٹے
بھائیوں کا نام محسن اور احسن ہے - اِن پر یہ تینوں
نام کھُدیں گے - اور اِن دنوں ایران سے ایک
بہت بڑے خوشنویس وہاں گئے ہوئے ہیں -
اُن سے لکھوا کر تینوں ناموں کا نمونہ بھیجا ہے اور
یہ چاہتے ہیں کہ اُس کے موافق نام کھُد جائیں -
اِس میں سرِ مو فرق نہ ہو - میں نے کہا - پھر کسی
مہر کن کو بُلوا کر دکھائیے ؟ اُنھوں نے اُسی داروغہ کو
بھیج کر ایک مہر کن کو بُلوایا - اُس نے نمونہ کو دیکھ کر
پہلے تو انکار کیا کہ ہم سے ایسے حرف نہیں کھُد سکتے
پھر کہنے لگا کہ اگر ایک اشرفی حرف دیجیے تو اپنی طرف سے
جہاں تک ہوسکیگا اِس میں محنت کی جائے گی -
اُنھوں نے کہا اِس سے کچھ کم بھی لوگے ؟ کہا اگر ایک
روپیہ حرف بھی کم دیجیگا تو نگوں کے بگڑنے کا میں
ذمہ دار نہیں ہونے کا - بگڑیں تو آپ کے اور سنوریں تو
آپ کے - غرض اُس سے تو معاملہ نہ بنا - جب وہ

چلا گیا - میں نے اُن کے آدمیوں سے پُوچھا کہ یہاں
کوئی اور مہرکن بھی ہے ؟ اُنھوں نے کہا - صاحب !
اِس سے بہتر اِس شہر میں تو کوئی ہے ہی نہیں -
مگر ایک کشمیری چند روز سے آیا ہوا ہے - اُس کی
بہت دھوم سُنتے ہیں - اگر کہیئے تو اُس کو بُلا لائیں ؟
میں نے کہا کشمیر کے مہرکن تو عالم میں مشہور ہیں -
بیشک وہ اُستاد ہوگا - اُسی کو لاؤ - آدمی تو اُسے
لینے گیا اور میں نے ایک چاقو لے کر اُس نمونے کے
تینوں ناموں میں سے نون کے نقطے چھیل ڈالے -
اور اُنہیں حرفوں کے موافق قلم بنا کر محسن کا محیش بنا دیا
اور حسن کا حیش اور احسن کا احیش - شیخ نے جو دیکھا
گھبرا کر کہنے لگے کہ ہا ! تم نے یہ کیا غضب کیا ؟ میں نے
کہا - آپ کے حرف تو میں نے بگاڑے ہی نہیں
نقطے البتہ بدل ڈالے ہیں - سو میں آپ کا مہمان ہوں
میرا یہ قصور معاف فرمائیے - وہ ہنس کر مجھ سے پُوچھنے لگے
کہ سچ کہو یہ بات کیا ہے ؟ میں نے کہا - فرا مہرکن کو

ممتاز خان پریمیر

آ لینے دیجیے۔ دیکھئے اِس کا حال ابھی آپ پر
کُھلا جاتا ہے۔ وہ اُس کاغذ کو اُٹھا کر بہت دیر تک
غور سے دیکھتے رہے۔ مگر کچھ اُنکی سمجھ میں نہ آیا۔
اتنے میں مہرکن بھی آگیا۔ اُس کو تینوں نگ اور
نمونہ دِکھایا گیا۔ وہ حقیقت میں بہت بڑا اُستاد تھا
اُس نے نمونے کو دیکھتے ہی بتا دیا کہ یہ حرف تو کسی
بڑے کامل اُستاد کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں
مگر نقطے اُس کے ہاتھ کے نہیں معلوم ہوتے۔ غرض
اُس سے جو پُوچھا تو اُس نے بھی وہی اشرفی حرف
کہا۔ میں نے کہا۔ جب ایک حرف کی ایک اشرفی ہوئی
تو کم سے کم فی نقطہ ایک روپیہ تو ہونا چاہیئے۔ کہا۔
اِس میں کچھ شک بھی ہے؟ اِن حرفوں کے مطابق
نقطے لگانے کچھ ہنسی کھیل نہیں ہیں۔ میں نے کہا
جتنے نقطے ہم اِس میں سے کم کردیں گے۔ اُتنے
روپے بھی مُجرا دو گے؟ وہ سمجھا کہ شاید یہ ہنستے ہیں
کہا۔ آنکھوں سے۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا۔ اب

آپ اِن تینوں لفظوں کے حرف تو گن لیں۔ اور تینوں نگ اور یہ نمونے لے جائیں۔ اور نقطے ابھی نہ لگائیگا۔ اِن تینوں لفظوں میں اٹھارہ نقطے ہیں اِن میں سے جتنے کم کیے جائیں گے۔ اُتنے ہی روپے تمھاری اجرت میں سے کاٹ لیے جائیں گے۔ اُس نے کہا۔ بہت اچھّا۔ اور وہ تینوں نگ اور نمونے لے کر چل دیا۔ جب وہ چلا گیا۔ میں نے شیخ سے کہا۔ لیجیے حضرت! میں نے آپ کے تین نقطے چھیل کر چار اشرفی کی بچیت کرادی۔ کہا۔ کیونکر؟ میں نے کہا۔ نون کے نقطے اُڑانے سے ایک ایک حرف تو تینوں ناموں میں سے کم ہو گیا۔ تین اشرفیاں تو یہی بچیں۔ اب جس وقت وہ مہریں کھود لائے گا اُس سے کہدیا جائیگا کہ اِن اٹھارہ نقطوں میں سے ایک ایک نقطہ شین کے دائروں میں لگادو۔ اور پندرہ نقطے جو باقی رہے اُس کے پندرہ روپے مجرا دو۔ پہلے آپ کو گیارہ اشرفیاں دینی پڑتیں اب سات ہی دینی پڑیں گی

تلیخ خدا کے فضل سے جیسے دولتمند ہیں ویسے ہی
سیر چشم بھی ہیں۔ سو ان کو ایسی ایسی بچت کا تو
کیا خیال ہوتا۔ ہاں مگر یہ لطیفہ اُن کو نہایت پسند آیا
لیکن اس کے سوا خدا تعالیٰ نے میری زبان سے
اُن کا ایک اور بڑا فائدہ کرا دیا۔ اُس پر البتہ وہ
نہایت خوش ہوئے۔ بات یہ ہے کہ اُن کے ہاں
اکثر کپڑے کے جہاز ولایت سے آیا کرتے ہیں۔ اگر
اُن کو خاطر خواہ نفع مل جاتا ہے تو تو وہ یُوں نہیں
بھرے کے بھرے بمبئی والوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں
اور نہیں تو سیدھے کلکتے بھیج دیتے ہیں۔ وہاں
جا کر اچھی طرح بک جاتے ہیں۔ اِسی طرح ایک
جہاز کے آنے کی خبر تھی۔ اُس کا بیجک تو اُن کے
پاس آگیا تھا مگر ابھی جہاز نہیں آنے پایا تھا کہ
خریداروں کا ہجوم ہوا۔ اکنّی روپے پر لینے کو
بہت سے گاہک آئے مگر انہوں نے کہا کہ میں دونی
روپیہ سے کم کو ہرگز نہیں دینے کا۔ میں نے کہا۔

آپ کیا غضب کرتے ہیں؟ یہاں کے تھوڑے
نفع کو بھی بہت سمجھنا چاہیئے - دریا کا مقدمہ ہے
خدا جانے کیا اُفتاد پڑے؟ اور میرے نزدیک تو
آپ ہمیشہ اَوْنے پَوْنے کرکے جہاں تک ہو سکے
یہیں دے ڈالا کیجے - اگرچہ اُن کی مرضی تو نہ تھی
مگر وہ میرا لحاظ بہت کرنے لگے تھے - میری خاطر سے
اُنہوں نے اُسی وقت اکنّی روپیہ پر سودا کرلیا -
اُس میں پچاس ہزار روپیہ کا کپڑا تھا - اور کچھ اوپر
تین ہزار روپے منافع کے ہوئے - کُل روپے کی
طرف سے تو اطمینان کرلیا - اور کپڑے کا بیجک
خریدار کے حوالے کیا - خدا کی قدرت جب عدن سے
جہاز چل لیا اور اُس کو چلے ہوئے چار دن بھی
گذر گئے دفعتہً یہ خبر آئی کہ جہاز ڈوب گیا - آدمی تو
کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر سب نکل آئے - مگر مال
جس قدر تھا سب جہاز کے ساتھ غرق ہوگیا -
شیخ نے یہ خبر سُنکر خریدار کے حال پر بہت تاسف

گیا۔ مگر اس بات کا نہایت شکر ادا کیا۔ کہ خدا تعالیٰ نے اُن کے مال پر کسی طرح کی آنچ نہ آنے دی۔ جس وقت یہ خبر آئی میں بھی اُنہیں کے ہاں موجود تھا۔ مجھ سے کہنے لگے حضرت! یہ آپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ میں یہ کلمہ سُنکر شرم کے مارے پانی پانی ہوگیا۔ اور میں نے یہ کہا کہ سچ ہے آپ بجا فرماتے ہیں۔ مجھے واقعی الہام ہوا تھا کہ یہ جہاز عدن سے آگے نکل کر غرق ہوجائیگا اے حضرت! خدا خدا کیجیے۔ جب اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ آپ کا مال تلف نہ ہو۔ اگر میں نہ کہتا آپ کے دل میں خود یہ بات پڑ جاتی۔ اور ایسی بات آپ کی زبان سے نکلنی نہایت بعید ہے۔ آدمی کو نفع نقصان جو کچھ پہنچتا ہے سب خدا کی طرف سے ہے۔ پھر اُس کے کام کو بندے کیطرف نسبت کرنا بڑی غلطی کی بات ہے۔ اِس بات سے میری جگہ اُن کے دل میں بہت ہوگئی۔ اسی طرح

ولایت سے ایک سوال آیا تھا کہ ہندوستان کی
شائستگی کون کون سی بات پر موقوف ہے اور
زیادہ تر سرکار کی توجہ پر موقوف ہے یا ہندوستانیوں کی
کوشش پر؟ اِس کا جواب اُنہوں نے مجھ سے
لکھوا کر بھیجا تھا۔ خدا کی عنایت سے وہ جواب
کچھ ایسی نیک گھڑی لکھا گیا کہ اُنہوں تو نہایت ہی
پسند کیا مگر ولایت سے بھی اُس کی تعریف اخبار
میں چھپی ہوئی آئی۔ غرض قِصّہ مختصر چار مہینے مجھکو
وہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ پانچویں مہینے جب
حج کا موسم آیا۔ میں نے شیخ سے اجازت چاہی
اُنہوں نے کہا۔ حج کے بعد کہاں کے ارادے ہیں
میں نے کہا۔ روم جانے کا ارادہ ہے۔ اُنہوں نے
دس ہزار روپیہ دے کر مجھ کو رخصت کیا۔ میں
وہاں سے اول مکّہ معظمہ میں آیا ایک مہینے وہاں
رہا۔ حج سے فراغت پاکر مدینہ منوّرہ گیا۔ سوا مہینے
کے قریب وہاں رہا۔ وہیں ماموں جان سے بھی

ملاقات ہو گئی (غلام امام نے پوچھا - وہ کہاں ہیں؟ اُس نے کہا - یہیں ہیں - اِس وقت بازار گئے ہیں گھڑی آدھ گھڑی میں آجائیں گے) وہاں سے میں اور ماموں جان استنبول میں آئے - یہاں آتے ہی یہ خبر سُنی کہ سلطان کے ہاں ایک خدمت ترجمانی کی کئی برس سے خالی ہے اور دو ہزار روپے مہینا اُس کی تنخواہ ہے - میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اتنی مدت تک خالی رہنے کا کیا سبب ؟ اُنھوں نے کہا - اُس میں شرط یہ ہے کہ جو شخص کم سے کم پانچ زبانیں جانتا ہو وہ اِس خدمت پر مقرر ہو سکتا ہے - اور وہ پانچ زبانیں یہ ہیں ترکی - عربی - فارسی - انگریزی - فرانسیسی - میں نے یہ خبر سُنتے ہی ترکی سیکھنی شروع کی - چھ مہینے برابر رات دن محنت کر کے تقریر میں تو خوب مہارت پیدا کر لی - اور تحریر میں بھی بُری بھلی طرح اپنا مطلب ادا کر لیتا ہوں - اور پانچ چار

مہینے فرانسیسی زبان سیکھی مگر یہ زبان ایسی نہ تھی کہ پانچ چار مہینے میں آجاتی۔ میں نے خدا کا نام لے کر یہ درخواست دے دی کہ چار زبانوں میں تو میں اس وقت امتحان دے سکتا ہوں اور فرانسیسی بھی اگرچہ کسیقدر جانتا ہوں مگر اُس میں امتحان نہیں دے سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ جو زبانیں مجھے آتی ہیں اُن میں میرا امتحان ہو کر یہ اسامی تو بالفعل میرے نام زد ہو جائے۔ اور چھ مہینے کی مہلت مل جائے۔ اِس کے بعد میں فرانسیسی زبان میں بھی امتحان دے دُوں گا دربار میں پہنچتے ہی میری درخواست منظور ہوگئی اور بعد امتحان کے اُس اسامی پر مجھ کو مامور کردیا فرانسیسی زبان میں ابھی امتحان نہیں ہوا۔ اسی سبب سے تنخواہ بھی پوری نہیں ملتی۔ مگر خدا کی عنایت سے اس میں بھی مجھ کو خاصی دستگاہ ہوگئی ہے۔ لیکن ابھی چھ مہینے نہیں گزرے۔

کچھ دن اور ایک مہینا باقی ہے۔ اِس کے بعد
اِمتحان ہوگا۔ غلام امام اور اِسلام بیگ یہ باتیں
سُن کر ایسے خوش ہوئے کہ سفر کی تکلیفیں اور
جُدائی کے صدمے بالکل بھُول گئے۔ دم بدم
خدا کا شکر ادا کرتے تھے اور اُس کی خدائی پر
دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ خداوندا! اگر
تو ہم کو سرخرو نہ کرتا تو ہمارا منہ اِس قابل نہ تھا
کہ گھروالوں کو جاکر اپنی شکل دکھاتے۔ تو نے
ہم کو دُنیا میں بَسا لیا اور ہمارے دُکھتے دِلونکی
دُعا سُن لی۔ اس کے بعد غلام امام نے کہا
کیوں جی! بیگم صاحب نے آپ کو اسی لیے
بھیجا تھا کہ ماموں جان کو لے کر استنبول چلے جانا
اور وہاں امتحان دے کر ترجمانی کی نوکری
کر لینا؟ سیّد عباس نے مُسکرا کر کہا۔ بیشک
ہم سے قصور تو بہت بڑا ہوا۔ مگر امید ہے کہ
امّاں جان ضرور معاف کردیں گی۔ اب میرا

ارادہ ہے کہ اپنا سارا حال امّاں جان کو لکھ بھیجوں۔ اور خرچِ راہ بھیج کر اُن کو یہیں بُلا لوں۔ حج کا ارادہ تو اُن کا مدت سے تھا ہی اب یہ خاصا موقع نکل آیا۔ مگر تم دونوں صاحبوں کو وہاں جانا پڑے گا۔ اور یقین ہے کہ ماموں جان بھی تمہارے ساتھ تشریف لے جائیں۔ اُنھوں نے کہا۔ ہم کو کیا عُذر ہے جس وقت آپ کہیں اُسی وقت ہم چلنے کو تیار ہیں؟

غرض سیّد عباس نے دو مہینے کے بعد اِسلام بیگ اور غلام اِمام اور خواجہ ہُذیل کو ہندوستان کی طرف چلتا کر دیا۔ اور وہ زبیدہ خاتون کو دلّی سے لے کر عرب کو چلے گئے۔ اوّل حج کیا پھر مدینہ شریف کی زیارت کی۔ وہاں سے اُسٹنبول کا رستہ لیا۔ جب زبیدہ خاتون وہاں پُہنچ گئی۔ چند روز کے بعد سیّد عباس کی

شادی ایک بہت بڑے امیر سے ہو گئی
سب نے وہیں کا رہنا اختیار کر لیا۔

بس یہ قصہ تمام ہوا۔ خدا تعالیٰ ہر ایک اولاد کو ایسی ماں اور ہر ایک ماں کو ایسی اولاد عنایت کرے۔ آمین ٭

تمام شد

کتب خانۂ جامعۂ عثمانیہ

۱- اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس رفقاء، مجلس انتظامی
مجالس تسہیلات نصاب پانچ کتابیں ایک ماہ تک اپنے پاس رکھ سکینگے۔

۲- اساتذہ جامعۂ عثمانیہ و کلیات ملحقہ و گریجویٹ عہدہ داران جامعہ
و اراکین دار الترجمہ دس کتابیں ایک ماہ تک اپنے پاس رکھ سکینگے۔ اور انڈر گریجویٹ
عہدہ داران جامعہ دو کتابیں ایک ماہ تک اپنے پاس رکھ سکینگے۔

۳- طلبائے ایم اے، ایل ایل بی، بی اے و تحقیقاتی جماعتوں کے
طلبہ تین کتابیں دو ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکینگے اور طلبہ بحساب
فی طلبہ پانچ کتابیں دو ہفتہ تک۔

۴- مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ کرنے پر
ایک آنہ یومیہ فی کتاب جرمانہ لیا جائیگا۔

۵- بشرط موقع کتابیں کرایہ پر بھی جاری کی جا سکینگی مگر اس غرض کے
لئے کتب خانہ میں کتاب کی قیمت کا امانتاً داخل کرنا لازم ہے۔

۶- کتابیں گم یا خراب ہو جائیں تو مستعیر پر ذمہ داری
عائد ہوگی۔

۷- کتابوں پر کسی قسم کا نشان یا حاشیہ لگانا منع ہے۔

۸- قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں
جاری نہ کی جا سکینگی۔ فقط